سلسلہ تصنیفات مسلم بک سوسائٹی نمبر ۱۶

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لمعات

انوار

محمدیہ

جس میں مختلف ہندوستانی و یوروپین اہل قلم علماء کے بعض چیدہ اور زبردست مضامین بارہ خصائل نبوی صلعم جمع کئے گئے ہیں جو ہر ایک مسلم کو عملی زندگی میں روزمرہ کام آسکتے ہیں اور [illegible]

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور نے میر قدرت اللہ صاحب پرنٹر کریمی پریس

لاہور میں چھپوا کر اپریل سنہ ۱۹۱۴ء شایع کیا

تعداد ایک ہزار

قیمت ۶ ؍

بار دوئم

فہرست مضامین لمعات انوار محمدیہ

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	نمبر صفحہ
۱	لمعات انوار محمدیہ	اڈیٹر	۱
۲	آخری نبی	〃	۴
۳	سب سے زیادہ کامیاب نبی	جناب مجیب لعنا محمد	۶
۴	محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم انسانیت کا ایک کامل نمونہ اور ہادی	ایڈیٹر	۸
۵	روحانیت کا غلط مفہوم	〃	۱۱
۶	روحانیت کا ایک سچا نمونہ	〃	۱۲
۷	حضرت محمد مصطفےٰ صلعم عمل میں بہترین نمونہ ہیں	〃	۱۸
۸	نمونہ سے تعلیم	〃	۱۹
۹	تاریخی نبی	〃	〃
۱۰	مصائب میں آنحضرت صلعم کا نمونہ	〃	۲۱
۱۱	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اللہ پر توکل	جناب شیخ بشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا	۲۲
۱۲	حصول طاقت پر آنحضرت صلعم کے اخلاق کا اظہار	ایڈیٹر	۲۵
۱۳	کمال عفو کی صفت حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ہی دکھا سکتے تھے نہ حضرت مسیح	〃	۲۷
۱۴	حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور قیدی عیسائی خاتون	جناب مولوی صدرالدین صاحب	۲۹
۱۵	اسلام بذریعہ تلوار نہیں پھیلا	〃	۳۰
۱۶	آنحضرت صلعم کا جہاد	ایڈیٹر	۳۱
۱۷	اسلامی قوانین جنگ	ایڈیٹر	۳۲
۱۸	اسلامی قوانین جنگ کا ایڈریانوپل میں ایک نمونہ	〃	۳۴
۱۹	حضرت مسیح کے توقعات جنگ کے متعلق	〃	۳۵
۲۰	آنحضرت صلعم ایک سپاہی کی حیثیت میں	〃	۳۹
۲۱	آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا رفیق۔	ایس ایچ لیڈر مصنف ڈزرٹ ٹیچر ویلڈرنس آف ایجپٹ	۴۱
۲۲	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک خاوند کی حیثیت میں	جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی	۴۴
۲۳	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت شکر گزاری	مارمیڈوک پکھتال	۴۷
۲۴	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مصلح تمدن کی حیثیت میں	یحییٰ النصر پارکنسن بی۔ ایچ۔ ڈی۔	۵۳
۲۵	آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور علم۔	پروفیسر نورالدین سیشفق	۵۸
۲۶	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جانیں قربان کرنے والے۔	جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی	۶۳

لندن میں جلسہ میلاد النبی صلعم

اس کتاب میں اس مقدس جلسہ کی مفصل روداد ہے جو زیر سرپرستی سنٹرل اسلامک سوسائٹی مورخہ ۹ جنوری ۱۹۱۵ء کو کیکسٹن ہال میں بتقریب ولادت منعقد ہوا

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

لمعات

انوار محمدیہ

وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ہم نے اسے ضرورت حقہ کے ساتھ اُتارا اور ضرورت حقہ کے مطابق یہ کلام اُترا۔

اگر دنیا کو کبھی ایک نبی کی ضرورت تھی تو یہ اس وقت تھی۔ جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور دنیا میں ہوا۔ جب خدا کے قوانین ساری روئے زمین میں توڑے جا چکے تھے۔ اور جب ہر قوم حد اعتدال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اگر کسی ایک قوم کے قعر ذلت میں گر جانے پر اس قوم کے اندر نبی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پیشتر دنیا کی کل قومیں جہالت۔ کفر و بد دیانتی۔ بداخلاقی اور ناپاکی میں گرفتار ہو چکی تھیں۔ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کی حالت اخلاقی پہلو سے نہایت درجہ ذلیل ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ گناہ کو بعض حالا

میں اُسے گناہ سمجھ کر نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ اسے نیکی سمجھ کر اس سے پیار کیا جاتا تھا۔ شاید اس بیان پر بعض لوگوں کو تعجب ہو مگر یہ بالکل سچ ہے۔ اور اس زمانہ کی ایران ہندوستان اور کلیسیا کی تاریخیں اس پر شاہد ہیں۔ نسل انسانی کی ترقی میں یہ وہ زمانہ تھا جب اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے انسان بہت ہی پیچھے گر چکا تھا۔ اور اگر انبیا ایسے ہی وقتوں میں آتے ہیں جب گناہ اور شرارت زمین پر پھیل جاتے ہیں، اور یہی ہر مذہب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے یعنی جیسے خدا تعالےٰ کی اس ظاہری قانون قدرت میں تاریکی کے بعد روشنی اور امساک کے بعد بارش ہوتی ہے اسی طرح اس کے روحانی قانون میں بھی تاریکی کے بعد روشنی آتی ہے، تو وہ زمانہ جب دنیا کے چاروں کناروں میں تاریکی اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس وقت حالت زمانہ اس امر کی مقتضی تھی کہ یا تو ہر ملک میں ایک نبی ظاہر ہو جو اپنے اپنے ملک اور اپنی اپنی قوم کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھائے۔ یا ایک ہی انسان کامل دنیا میں ظاہر ہو کر سب قوموں اور ملکوں کی اصلاح کا بار اپنے اوپر لے۔ اور خدا کے مذہب کو ایک کمال کے رنگ میں پیش کرے۔ مختلف قوموں کو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے مختلف کتابیں ہدایت کے لئے دی گئی تھیں مگر وہ کتابیں انسانی آمیزش اور دستبرد سے پاک نہ رہ سکیں، اور اس لئے خدا کی رضا کی راہیں جو انسان پر ظاہر کی گئی تھیں وہ پھر تاریک ہو گئیں۔ اور اختلافات ہر جگہ نمودار ہو گئے۔ یہاں تک کہ اصول دین بھی ان اختلافات سے نہ بچ سکے۔ قرآن کریم اس حالت کا نقشہ ذیل کی آیت میں کھینچتا ہے۔ جہاں درحقیقت قرآنی وحی کی ضرورت بیان فرمائی گئی ہے۔

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ما جاءتهم البينات بغيا بينهم فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم (البقرة ۲-۲۱۳)

اس کا ترجمہ یہ ہے: لوگ سب ایک ہی گروہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نبیوں کو بھیجتا رہا جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب اُتارتا رہا تاکہ لوگوں میں اس بارہ میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور نہیں اختلاف کیا۔ اس میں مگر انہی لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی۔ بعد اس کے کہ کھلے دلایل ان کے پاس آچکے تھے۔ آپس میں ضد کرتے ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اپنے اذن سے ہدایت دی ہے۔ اس بارہ میں جس بارہ میں لوگ حق میں اختلاف کرتے تھے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے +

اس آیت پر نوٹ لکھتے ہوئے مولوی محمد علی صاحب اپنے انگریزی ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

اس آیت کا پہلا حصہ اس عالم قانون کو بیان کرتا ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ مختلف قوموں میں نبی مبعوث فرماتا رہا۔ چونکہ سب لوگ ایک ہی گروہ کے حکم میں ہیں اس لئے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ بعض قوموں میں نبی مبعوث کئے جائیں اور بعض میں نہ کئے جائیں۔ پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ ایک کتاب

بھی نازل کی گئی تاکہ ان مختلف فرقوں میں جو کہ نبی کے ظہور سے پہلے موجود تھے۔ یہ کتاب ایک فیصلہ کی راہ پیش کرے۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ وہی لوگ جن کو رفع اختلاف کے لئے کتاب دی گئی تھی۔ تاکہ وہ اس کی پیروی کریں اس کے خلاف کرنے لگے۔ پس گو ہر قوم میں ایک نبی مبعوث کیا گیا تھا۔ مگر ہر قوم راہ راست کو ترک کر چکی تھی اور انہی ہدایتوں کے خلاف کا ارتکاب کر چکی تھی جو اس کو دی گئی تھیں۔ پس اس طرح پر اور اختلافات نمودار ہو گئے جن کی وجہ سے ایک اور نبی کے بعثت کی ضرورت پیش آئی۔ اور ضروری ہوا کہ ایک ایسا نبی مبعوث کیا جاوے جو سب قوموں کے باہمی اختلافات کو دور کرے کیونکہ اگر ہر قوم کے لئے ایک نبی کی ضرورت پیش آئے۔ تو وہ ان کے اختلافات کو مٹائے۔ یقیناً اب ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جو مختلف قوموں کے اختلافات کو دور کرے۔ کیونکہ وہ صداقت جس کا ظہور مختلف قوموں پر اپنے وقت میں ہوا تھا اب سب اس کو بھلا چکی تھیں۔ پس مختلف قومی مذاہب کے اندر اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اور جس طرح متفرق قومی قوانین کا یہ تقاضا ہے کہ ایک بین الاقوامی قانون بھی ہو۔ اسی طرح مختلف قومی مذاہب کے اندر ایک بین الاقوامی یا عالمگیر مذہب ضروری تھا جو ان کے باہمی اختلافات کو دور کر کے مذہب کے اصلی اصول کو قائم کردے۔"

یہ دلیل واقعی ایسی صاف ہے کہ کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر حکمت الٰہی کا تقاضا ایک وقت میں مختلف قوموں کی ضروریات کے مطابق یہ تھا کہ ان مختلف قوموں پر مختلف انبیا کے ذریعہ سے اپنے منشاء کو ظاہر کرے۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ وہ کتب جو منشاء الٰہی کو دنیا میں ظاہر کرنے والی تھیں مرور

ـــ تھیں سب قوموں کو سیدھی راہ دکھائے۔ اور

زمانہ سے خود بگڑ گئیں۔ اور ان کی اصلی اور حقیقی تعلیم پر ایک تاریکی کا پردہ پڑ گیا تو کیا حکمت آلہی کا یہ ضروری تقاضا نہ تھا کہ ایک اور کتاب نازل کرے جو ان سب اختلافات کا فیصلہ کرنے والی اور ان سب غلطیوں کو دور کرنے والی ہو۔ علاوہ ازیں خود دنیا کی حالت میں ایک انقلاب آ رہا تھا یعنی یہ کہ مختلف قومیں اب ایک اتحاد کا رنگ اختیار کریں اس لئے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ جس کی زندگی مختلف انبیاء کی زندگی کا آئینہ ہو اس لئے قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا جو بجا طور پر دنیا کا آخری نبی ہوا۔

آخری نبی

مگر وہ کیوں آخری نبی ہوا؟ کیا وجہ ہوئی کہ نبوت کا دروازہ اس کے بعد بند کیا گیا؟ اس سوال کا مفصل جواب اس قدر وسعت چاہتا ہے جس کے لئے موجودہ مضمون میں گنجایش نہیں۔ مگر میں یہاں اس سوال کے صرف ایک پہلو پر غور کرتا ہوں۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ وہ غرض اور مدعا کیا ہے جس کے لئے نبوت کی چادر ایک انسان کے کندھوں پر ڈالی جاتی ہے نبی اسلئے نہیں آتے کہ وہ اپنی بڑائی کو ظاہر کریں یا خود اپنی پرستش کرائیں۔ اور خدا کی جگہ آپ لیں۔ وہ ایک پیغام لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کی ہدایت کے لئے دیتا ہے۔ اور وہ خود اسے عمل میں لا کر دکھاتا ہے۔ وہ آسمان سے احکام پاتا اور ان احکام کو اپنی عملی زندگی میں لاتا ہے۔ وہ خود سب سے پہلا فرمانبردار ان احکام آلہی کا ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو بتاتا ہے کہ وہ کس طرح

سے ان احکام کی تعمیل کریں ۔اس طرح پر خدا کا کلام اور نبی کی سنت جو ایک مثال
کا کام بھی دیتی ہے۔ دوسروں کو ہدایت کے رستہ کی پیروی میں مدد دیتے ہیں۔
اور اگر وہ اپنی اصلی پاکیزگی کی حالت میں باقی رہیں۔ اور اس طرح پر ہم کو پہنچ جائیں
اور تعلیم بھی ان کے اندر اپنے کمال میں ظاہر کر دی گئی ہو تو ہمیں دوسرے نبی کی
ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہ دونوں باتیں دنیا کی تاریخ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے ظہور سے کسی کو میسر نہیں آئیں۔ جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف
آوری سے پہلے نازل ہوا اس میں تحریف و تبدیل واقع ہو گئی۔ اور انسان کے
ہاتھوں نے اس میں کمی بیشی کر دی۔ علاوہ بریں اسلام سے پہلے کے تمام مذہبی معلمو
کی زندگیوں کے واقعات تاریکی میں ہیں۔ اور تاریخی طور پر ان کی صحت کا اطمینان
کوئی نہیں۔ بلکہ زیادہ تر وہ باتیں قصوں کے رنگ میں رہ گئی ہیں۔ اور اس طرح
پر ہم کو ان کے حقیقی حالات کا علم بہت کم ہے۔ اس لئے قرآن اور نبی کریم صلے
اللہ علیہ وسلم کا نزول ضروری ہوا لیکن اگر قرآن کریم آج ہمارے ہاتھوں میں بغیر
ایک شوشہ کی تحریف کے ایسا ہی موجود ہے جیسا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی زندگی میں تھا۔ اور اگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات تمام صحت
اور امانت کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں۔ اور قرآن نے ہدایت کی راہوں
کو بھی پورے طور پر روشن کر دیا ہے اور شریعت کی تکمیل کر دی ہے تو کیا پھر بھی ہمیں
کسی اور نبی کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن سب کتابوں
میں سے آخری کتاب ہوئی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب نبیوں میں آخری
نبی ہوئے۔ درحقیقت جو چیز قرآن کو خاتم الکتب اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کو خاتم الانبیا بناتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ قرآن ہدایت اور شریعت کی تکمیل فرماتا ہے محمد رسول اللہ کی شخصیت کو آگے نہیں کرتا پس اگر قرآن کریم میں ہماری اخلاقی اور روحانی ضروریات کو کامل طور پر پورا کیا گیا ہے۔ اور اگر اس میں خدا کی رضا کی راہوں کو کامل طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جب احکام قرآنی کو تعمیل میں لاکر نبی کے کام کا عملی حصہ پورا کر دیا ہے۔ تو اب بتاؤ کہ اور نبی کی ضرورت کہاں ہے۔ اور کیوں ہے*

سب سے زیادہ کامیاب نبیؐ

یہ ایک صاف تاریخی واقعہ ہے جس سے دشمن کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی دنیا کے اکیلے نبی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد جس کو لے کر انہوں نے زندگی شروع کی تھی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے پورا ہوتا دیکھ لیا۔ اور یہاں پھر میں اسی فاضل مترجم کے چند الفاظ نقل کرتا ہوں جہاں انہوں نے قرآن کریم کے بے مثل ہونے پر نوٹ لکھا ہے۔ وہاں پر لکھتے ہیں:

"اس مقدس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت جس میں دنیا کی کوئی کتاب اس کا مثل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ وہ حیرت انگیز روحانی انقلاب ہے جو اس کے ذریعہ سے دنیا میں نمودار ہوا اور اسی کی طرف اس کے ان پاک الفاظ میں اشارہ ہے جن سے یہ کتاب شروع ہوتی ہے۔ ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ ھدی للمتقین یعنی یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ایک عظیم الشان اور کامل ہدایت متقیوں کے لئے ہے۔ یہ بات کہ جو انقلاب اس کتاب نے پیدا کیا اسکی

کوئی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی سب کو مسلم ہے۔ کیونکہ اگر جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا
بریٹینیکا میں صاف اعتراف موجود ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں
سے اور تمام مذہبی مصلحوں سے بڑھکر کامیاب ہوئے تو یہ کامیابی اسی پاک کتاب
قرآن کے ذریعہ سے وقوع میں آئی۔ اس کے احکام نے ہر قسم کی خطرناک بدیوں
کو جو ہزاروں سالوں سے جڑھ پکڑے ہوئے تھیں جیسے بت پرستی شراب خوری خس و
خاشاک کی طرح نیست نابود کر دیا۔ اور جزیرہ نمائے عرب میں ان کا کوئی نشان باقی
نہ چھوڑا۔ خطرناک جنگجو قوموں کو جن کی عداوتیں صدیوں سے چلی آتی تھیں۔ ایک متحد
قوم بنا دیا۔ اور ایک جاہل اور ان پڑھ قوم کو علی سے اعلیٰ علوم اور تہذیب کے علمبردار
بنا کر ان کو دنیا کا پیشرو بنا دیا۔ علاوہ بریں قرآن کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کی عظمت
و شوکت کا ایک ایسا موثر نقشہ کھینچتا ہے جس کی نظیر ہیں کسی دوسری مقدس کتاب
میں نظر نہیں آتی اور اس طرح پر قرآن یہ تحدی فأتوا بسورۃ من مثلہ یعنی اس جیسی ایک
ہی سورۃ پیدا کر دو۔ آج تک قایم ہے جس کا جواب دنیا میں نہیں ہو سکا"۔

عرب کو چھوڑ دو ساری نسل انسانی قرآن کریم کے نزول سے پہلے قعر ذلت
میں گری ہوئی تھی۔ جہالت اور تاریکی کے بادل اخلاق اور روحانیت کے آسمان پر
ایسے چھائے ہوئے تھے کہ روشنی کی کوئی شعاع نظر نہ آتی تھی۔ خدا کے قانون بڑی
دلیری سے توڑے جاتے اور الٰہی حدبندیوں سے بڑی بیباکی کے ساتھ تجاوز کیا
جاتا تھا۔ فسق و فجور کی حکومت سارے روئے زمین پر تھی۔ مگر عرب کا ملک سب سے
بڑھا ہوا تھا۔ وہ نہ صرف ہر ایک قسم کے فاحش امور کے ہی مرتکب ہوتے بلکہ ان
کے ارتکاب پر اپنی مجلسوں میں اور اپنے اشعار میں فخر کرتے۔ اس زمانہ میں عرب

میں شعر گوئی کا شوق کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اس کے بڑے بڑے مجمعوں اور محفلوں کو مشاعرہ کی مجالس زیب و زینت دیتی تھیں۔ مگر اس مشاعرے کے نازک خیالات میں نہایت گندے اور فحش افعال کے ارتکاب کا ذکر فخر کے طور پر بیان کیا جاتا تھا۔ اب ایک طرف اس قوم کی اس حالت پر غور کرو اور دوسری طرف اس حالت کو دیکھو کہ جب چوتھائی صدی سے کم عرصہ میں کل کی کل ایک خدا ترس راستباز انسانوں کی جماعت بن کر دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے۔ وہ جو دنیا کی قوموں میں سب سے بڑھکر علم سے دور اور جہالت پر فخر کرنے والے تھے وہی دنیا میں علم کے مشعل بردار بن گئے۔ اور وہ جو عورتوں کو ذلیل ترین حالت میں رکھتے تھے حقوق نسواں کے حامی بن گئے۔ اور دوسروں میں بھی انہوں نے وہی روح پھونک دی جو خود ان کے اندر کام کر رہی تھی۔ اور یہ انقلاب عظیم بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ظہور میں آیا۔ تاریخ میں اس قسم کی اصلاح کی۔ اور کوئی مثال نظر نہیں آتی

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی محمد ✤

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

انسانیت کا ایک کامل نمونہ ہاور دی

پروفیسر رینان حضرت مسیح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ”مذہب نے اس انسان کو انسانیت کا ایک کامل نمونہ منتخب کرنے میں ہر گز کوئی برا انتخاب نہیں کیا“

مگر رینان باوجود اپنے عقلی کمالات کے ابتدائی زمانہ کے تعصبات سے الگ تھلگ نہیں ہو سکا۔ اگر ٹھنڈے اور بے تعصب دل کے ساتھ ان واقعات پر غور کیا جائے جو حضرت مسیح کی زندگی کے متعلق انجیل میں مذکور ہیں اور ساتھ ہی اس بات کو بھی مدنظر رکھا جاتے کہ انسانی سوسائٹی کس طرح پر مبنی ہے۔ تو قارئین کرام پر یہ امر کھل جائیگا کہ رینان کا یہ مقولہ تنگ نظری سے خالی نہیں۔ اس کو یہ علم ہونا چاہیے تھا کہ انسانی سوسائٹی کی ترکیب میں بہت سے ایسے اجزاء ہیں جو انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں حضرت مسیح جیسا کہ اناجیل میں ان کے حالات مذکور ہیں ہمارے ہادی نہیں ہو سکتے۔ ایک بادشاہ جو تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوتا ہے ایک جج۔ جو عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے۔ ایک مدبر جو امور سلطنت کی تدبیر میں لگا رہتا ہے۔ ایک جرنیل جو افواج کو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ پر لے جاتا ہے انسانی سوسائٹی کے ایسے ہی ضروری عنصر ہیں جیسے ایک معلم جو انسانوں کو ان کے اخلاق وغیرہ کے متعلق تعلیم دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مصلحت الہی نے یہ تقاضا کیا کہ داؤد۔ سلیمان۔ یوسف اور یوشع جیسے انبیاء کو بھی بھیجا جنہوں نے علی الترتیب۔ بادشاہ نج۔ مدبر اور جرنیل کا کام کر دکھایا۔ وہ انسان تھے اور اس بات کا امکان رہ جاتا ہے کہ ان کو ان فرائض کے ادا کرنے میں کسی وقت غلطی بھی لگی ہو۔ لیکن خدا کو خود انسانیت کا نمونہ اور رہبر بن کر آنا تھا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ یسوع مسیح کے رنگ میں آیا۔ تو پھر کس قدر ضروری تھا کہ وہ مدبر یا بادشاہ کے رنگ میں ظاہر ہوتا۔ کیونکہ اس طرح پر وہ نسل انسانی کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ کیونکہ بادشاہوں اور مدبروں کی غلطیوں سے نسل

انسانی کو بڑے بڑے نقصان پہنچتے ہیں۔ اور اگر حضرت مسیح انسانیت کا کامل نمونہ
اور رہبر بن کر اپنے عمل سے اپنے پیرووں کے لئے بہتر ہدایات چھوڑ جاتے تو شاید
آج دنیا کو اس مصیبت کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ جو اس عظیم الشان آگ کی صورت میں
دنیا کو جلا رہی ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ اگر بجائے شہزادہ صلح کی صورت میں ظاہر
ہونے کے خدا ایک بادشاہ یا مدبر کی صورت میں ظاہر ہوتا تو دنیا میں جو خطرناک
نتائج بادشاہوں یا مدبروں کی غلطیوں سے پیدا ہوتے ہیں ان سے دنیا بچ جاتی
وہ ان کو جنگ کے اخلاق کی تعلیم دیتا۔ اور جب وہ خود بھی ان پر عامل ہو کر دکھاتا
تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مثال ان کے پیرووں کے لئے بہت کچھ روک کا موجب ہوتی
شاید یہ کہا جائے گا کہ یسوع مسیح اس دنیا کی بادشاہت کے لئے نہیں آیا۔
لیکن اگر نوع انسانی کا اجتماع اور اس اجتماع کے ذریعہ سے گوناگون فوائد کا حاصل
کرنا کسی قسم کے نظم اور حکومت کو لازمی ٹھہراتا ہے۔ اور باہمی حقوق اور ذمہ داریوں
کو عمل میں لانے سے چارہ نہیں اور بغیر اس کے انسان انسانیت کے کمال تک
پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اور اگر جبھی کہ انسان ابتدائی وحشیانہ حالت میں ترقی کر کے نکلتا ہے
فوراً ملکیت کا سوال اس کے سامنے آتا ہے اور مال اور جان کی حفاظت بغیر
کسی قسم کی ملکی حکومت کے نہیں ہو سکتی۔ تو کیا ہم انسانیت کا کامل نمونہ اور رہبر کے
لئے زیتون کی پہاڑی کی طرف دیکھیں یا فاران کے پہاڑ پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے وجود میں ایک بادشاہ مدبر بقنن۔ جرنیل جج کو پا کر اپنے لئے انسانیت
کا کامل نمونہ اور رہبر ٹھہرائیں۔ کیا خود اس جنگ میں جو نمونہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے پیرووں نے دکھایا ہے وہ خود اس بیان کی صداقت پر شاہد نہیں

ایک طرف مسیح کے پیروؤں میں سے دو بڑی طاقتیں یعنی جرمن و آسٹریا جن مظالم کا ارتکاب کر رہی ہیں ان پر خود عیسائی اخبارات شاہد ہیں دوسری طرف اسی جرمنی کا حلیف ٹرکی بھی ہے جس کے سپاہیوں کی رحم دلی اور وسعت اخلاق کی تعریف انہی اخبارات میں ہو رہی ہے۔ پس عملاً اس نبی کا پیرو جنگ کے وقت اچھا انسان ثابت ہوتا ہے جس نے خود جنگ کر کے اپنے پیروؤں کو بتا دیا کہ اس حالت میں بھی جب انسان انسان کے خون کا پیاسا ہوتا ہے ایک مسلم کا طریق عمل کیا ہونا چاہیئے۔

لیکن اگر حضرت مسیح زندگی کے ان اعلیٰ حالتوں میں نمونہ کا کام نہیں دے سکتے تو کیا اچھا ہوتا اگر معمولی زندگی میں ہی ان کا نمونہ ہمارے لیئے کامل رہبر کا کام دے سکتا ہماری زندگی کے پروگرام میں گھرالو زندگی یعنی میاں بی بی کے طور پر رہنا انسانی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ بہت سے گھر غموم و ہموم مصیبتوں جھگڑوں کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ یہ رنجدہ حالت کس طرح پیدا ہوتی ہے میاں بیوی میں جب محبت کے پاک تعلقات ہوں تو بیاہی ہوئی زندگی دنیا میں انسان کے لیئے جنت بن جاتی ہے۔ لیکن انہی محبت کے پاک تعلقات کے مفقود ہو جانے سے سکھ کی بجائے دکھ اور جنت کی جگہ انسان کو ایک جہنم نظر آتا ہے۔ خود گھر کا لفظ ہی کس قدر تعلقات محبت کو سامنے لے آتا ہے۔ مگر کیا یہ صحیح نہیں کہ یہ چیزیں روز بروز کم ہوتی جا رہی ہیں اور بہت سے گھر ان باتوں سے خالی ہوتے جاتے ہیں جو اس لفظ کے ساتھ وابستہ تھیں۔ کیا عورت کی پیدایش کی یہ غرض نہیں کہ وہ مرد کی معاون ہو اور کیا قانون الٰہی اور قانون قدرت کا یہ صاف نشا

نظر نہیں آتا کہ مرد اور عورت میاں بی بی کے پاک تعلقات کی حالت میں رہیں اور ان میں وہ محبت قایم رہے جو گھر کو ایک کامل راحت اور سکون کی جگہ یا انسان کے لئے اس دنیا میں ہی جنت بنادے اور وہ کشیدگی اور رنجیدہ تعلقات پیدا نہ ہوں جو گھر کو دوزخ بنادیں۔ اگر یہ واقعات اور حقایق ہیں اور انہی پر ہماری خوشی یا رنج کا بہت حد تک مدار ہے تو کیا ہم کو ایسے رہبر کی ضرورت نہیں جو ہماری روزمرہ خانگی زندگی کو درست طریق پر چلانے کی راہ بتائے۔ یہ افسوسناک امر ہے کہ ابن مریم کو اس قدر جلد اپنے تبلیغ کے کام سے رکنا پڑا۔ اور ان کو شاید موقعہ ہی نہ ملا کہ کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لا کر اپنے پیرووں کیلئے میاں بیوی کے تعلقات میں عملی نمونہ چھوڑتے اور اس غرض کے لئے ہمیں پھر کسی دوسرے انسانیت کے کامل نمونہ اور رہبر کی طرف دیکھنے کی احتیاج پڑتی ہے۔

رُوحانیت کا غلط مفہوم

لیکن بعض ہمارے قارئین کو جب وہ یہ سطور پڑھینگے۔ شاید یہ خیال گزرے کہ "یسوع مسیح دنیا کے لئے نہیں تھا وہ صرف روحانیت کے لئے آیا" میں چاہتا ہوں کہ ایسے اپنے مہربانوں کو اس غلط فہمی سے باہر نکالوں۔ جو ان کو روحانیت کے متعلق ہو رہی ہے بعض کے نزدیک غالباً روحانیت کا منشاء یہ ہوگا کہ تمام عقلی تعلقات اور دنیوی فرایض سے انسان علیحدگی اختیار کرے۔ لیکن اس قسم کی رہبانیت کی زندگی تو حضرت مسیح کی بھی بہرحال نہ تھی۔ وہ عملی رنگ کے انسان بھی تھے۔ روزے رکھنا اور خوابیں دیکھنا۔ آدھی رات کے وقت دعائیں کرنا

اور رات کے اوقات میں ہمکلام ہونا بھی ساری روحانیت کے پہلوؤں کو اپنے اندر لئے ہوئے نہیں ہے۔ جیساکہ کارڈنیل نیومین کو خیال ہے۔ بالفاظ جے آر ملرڈی۔ڈی "ہماری زندگی کے کام کے دن (یعنی عبادت کے دن کے مقابلہ میں جو اتوار ہے) ہماری روحانیت پر اثر ڈالنے میں اور ہمارے اخلاق کی تربیت میں اور ہمارے حسن خلق کے بنانے میں اس سے بہت بڑھکر معاون ہیں جیساکہ ہم میں سے اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ دوسری طرف کوئی دن خوبصورت نہیں بنایا جاسکتا جس کا کاروباری یعنی ادائگی فرایض کا پہلو اسی طرح پر رونق نہیں جس طرح اس کا مذہبی پہلو" مگر ہم دریافت کرتے ہیں کہ وہ مذہبی پہلو کیا چیز ہے اور فرایض کی ادائگی اور مذہبی زندگی میں حد فاصل کیا ہے۔ جبکہ ایک انسان زندگی کے ہر پہلو میں پاکیزگی اور عفت۔ ہمدردی اور فیاضی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ کیا ہماری جسمانی حالتیں ہماری اخلاقی اور روحانی حالتوں سے گہرا تعلق نہیں رکھتی ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ ہمارا پینا اور ہمارا کھانا بھی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر بہت برا اثر ڈالتا ہے۔ خود حضرت مسیح نے کاروباری یعنی ادائگی فرایض کی زندگی اور مذہبی زندگی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ مگر اس صداقت کو دنیا میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی روشن کیا۔ کہ انسان کا ہر ایک فعل خواہ وہ زندگی کے کسی پہلو میں ہو ایک مذہبی اہمیت اور ایک مذہب کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔ بلکہ اس کی تمام تر زندگی مہد سے لیکر لحد تک بچپن سے لے کر قبر تک مذہبی فرایض کی ادائگی کا ایک سلسلہ ہے۔ مذہب اور ملکی امور کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں۔ ان واقعات کے سامنے یہ بیان کہ جو چیزیں قیصر کی ہیں وہ قیصر کو

اور جو خدا کی ہیں وہ خدا کو دو۔ کچھ حقیقت نہیں رکھتا قیصر تو خود رنگ حکومت میں خدا کا نائب ہے اور اس کی فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری ہے۔ محمد مصطفیٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) ان دونوں منصبوں کا مجموعہ ہیں جو قیصر اور پوپ الگ الگ طور پر ادا کرتے ہیں۔ آپ کا صرف یہی کام نہیں تھا کہ رسوم مذہبی کو قایم کریں احکام مذہبی کو ایک شکل دیں۔ اور اپنے پیرؤں کے لئے عبادات ہیں ہادی نہیں بلکہ آپ کو سیاسی رنگ میں بھی ان کا ہادی بننا تھا" (ایس خدا بخش۔ جنرل آف دی مسلم انسٹیٹیوٹ کلکتہ) +

دوسری طرف اس بات پر غور کرو کہ کیا حضرت مسیح تارک الدنیا تھے۔ یا ایک جد و جہد کی زندگی والا انسان۔ آپ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ دعا پر بھی آپ کا زور تھا اور کام پر بھی اگر رات وہ خدا کی عبادت میں گزارتے تھے تو دن ان لوگوں کی ہمدردی میں گزارتے جو دکھوں اور مصیبتوں میں تھے بعض اوقات وہ محصول دینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ بھی بیٹھتے تھے کیا اس وقت وہ روحانیت سے خالی ہو تے تھے؟ کیا آپ کی روحانی قوتیں اس وقت معطل ہو گئی تھیں۔ جب ایک شادی کی دعوت میں شامل تھے؟ اور اگر آپ کی زندگی کا کاروباری پہلو روحانیت سے مطابقت حاصل کرسکتا ہے تو اگر آپ بادشاہ یا حاکم بن جاتے۔ تو اس سے روحانیت میں کیا فرق آسکتا تھا! +

روحانیت کا ایک سچّا نمونہ

اور اگر روحانیت اسی بات کا نام ہے کہ تعلیم اور نمونہ کے ذریعہ سے حقیقی انسانی خوشی کے بڑھانے میں مدد دی جائے تو ایک بادشاہ بھی جو روحانیت میں اعلیٰ مقام پر ہو ایک تارک الدنیا کی نسبت انسانی خوشی کے بڑھانے میں بہت زیادہ معاون ہو سکتا ہے۔ دل کی سکینت اور اوضاع میں فروتنی جو روحانیت کے دیگر اجزا میں سے دو نہایت ضروری جزو ہیں۔ جب ان کا ظہور ایسے لوگوں سے ہو جو بغیر سکینت اور فروتنی کے بھی اپنی زندگی مزے سے بسر کر سکتے ہیں۔ تو ان اوصاف کے مالک کی خوبی بہت بڑھ جاتی ہے وہ ایک اعلیٰ درجہ کے اخلاقی سبق کا کام دیتے ہیں اور بڑے بڑے متکبر سرکشوں کو آن کی آن میں نرم کر دیتے ہیں لیکن جب یہی سکینت اور فروتنی کے اخلاق ایک ایسے انسان میں پائے جائیں جس کی حیثیت ایک معمولی انسان کی حیثیت ہے تو ان سے دوسرے چنداں فائدہ نہیں اُٹھا سکتے بلکہ بسا اوقات دوسروں کو ایک تمسخر اور ہنسی اور طعن کا موقعہ دیتے ہیں۔ ان کے عمدہ اخلاق ہونے میں تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر مثل مشہور ہے سنز بی جی از بے چادری۔ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ چونکہ ایسے شخص کو کوئی اعلیٰ مرتبہ ہی حاصل نہیں اس لئے اس کو تو مجبوراً بھی سکینت اور فروتنی کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ اس پہلو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی سچی روحانیت کی روشن مثال ہیں۔ پہلے ایک یتیم تھے۔ پھر چاروں طرف سے تکلیفوں کا نشانہ بنے۔ پھر وطن مالوف سے بھی بھاگنا پڑا۔ اور آخر کار نہ صرف روحانی بادشاہی

رہے، بلکہ جسمانی حاکم بھی ہوئے "لیکن کیا غربت کی حالت سے نکل کر طاقتور ہو جانے نے آپکی طرز زندگی میں کوئی انقلاب پیدا کر دیا؟ کیا طاقتور ہو جانے کی حالت میں جو انسان کے اردگرد شان و شوکت کے ظاہری سامان نظر آیا کرتے ہیں وہ آپ کی حالت میں بھی نظر آتے ہیں؟ کیا آپ نے کوئی نوکر و خدمتگار رکھے یا اپنی حفاظت کے لئے کوئی باڈی گارڈ مقرر کیا؟ یا کیا ظاہری شان و شوکت کو جس کو ذہن کے بادشاہوں نے کیا قدیم اور کیا جدید ہمیشہ بادشاہت کے لوازمات میں سے سمجھا ہے آپنے اپنے پاس آنے دیا؟ کیا آپ نے کوئی دولت جمع کی یا کوئی جائداد بنائی۔ جہاں تک آپ کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ایک بھی امر ایسا نہیں جس میں آپ نے تبدیلی کی ہو۔ آپ کو طاقت اور اختیارات تو اس قدر حاصل ہیں کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ مگر اس کے باوجود آپ آخر تک سادہ دکھاوے سے متنفر تکبر سے پاک اپنے ہمجنسوں کی خاطر اور ان کے ساتھ ایسی ایثار اور قربانی کی زندگی بسر کرنے والے رہے جن کی مثال نظر نہیں آتی۔ آپ بادشاہ ہیں مگر دل کے غریب۔ آپ ایک عظیم الشان ظاہری اور روحانی طاقت کے بانی ہیں مگر نرم رحدل اور دل کے پاک۔ آپ زمین کے وارث ہیں۔ مگر "پاکیزگی کے لئے بھوکے اور پیاسے"۔ آپ کے منہ کے لفظ نہیں رہتے بلکہ آپ کے ہونٹوں سے الگ ہوتے ہی عمل اور حقیقت کا جامہ پہن لیتے ہیں۔ یہ ہے سچی روحانیت جو طاقت اور خوشحالی کے وقت ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے جیسے غربت اور تنہائی کے وقت جو شخص غربت اور بیکسی کی حالت میں نرمی اور فروتنی کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے کچھ کھوتا نہیں۔ اور بس۔

مگر جو طاقتور اور دولتمند ہو کر اس منزل کو طے کرتا ہے اس کی روحانیت فی الحقیقت ایک امتحان سے نکل کر اپنی پختگی پر مہر لگا دیتی ہے۔ ڈاکٹر گستاو ویل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتا ہے :-

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے لوگوں کیلئے ایک روشن نمونہ قایم کیا۔ آپکے اخلاق پاک اور بے عیب ہیں۔ آپ کی پوشاک آپ کی خوراک نہایت درجہ کی سادگی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ آپ کی طبیعت کی سادگی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ آپ پسند نہیں کرتے کہ آپکے رفقاء آپ کی خاص طور پر عزت کریں نہ اپنے خدمتگار سے کوئی ایسا کام لیتے ہیں جو آپ خود کر سکتے ہوں۔ بسا اوقات آپ بازار میں سودا خریدتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ بسا اوقات آپ اپنے کپڑوں کی مرمت کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ یا اپنے صحن میں اپنی بکری کا دودھ دوہتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں آپکے پاس ہر شخص ہر وقت جا سکتا ہے۔ آپ بیماروں کی عیادت کے لئے جاتے ہیں۔ اور سب کے لئے ہمدردی آپکے دل میں بھری ہوئی ہے۔ آپ کی کرمی اور فیاضی کی کوئی حد نظر نہیں آتی اور اپنی قوم کے لئے آپ کی تڑپ بھی کمال درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ باوجود بیشمار تحفوں کے جو آپ کو برابر ہر طرف سے پہنچتے چلے آتے ہیں۔ آپ اپنے پیچھے بہت ہی کم چھوڑتے ہیں اور جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ بھی اپنا مال قرار نہیں دیتے۔ بلکہ بیت المال کا حصہ قرار دیتے ہیں"

"پھر آپکے مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے کو لو۔ عفو اور درگزر کا کیسا شاندار نمونہ ہے۔ عرب اب آپکے پاؤں تلے ہے۔ اور مکہ جو آپ کی مخالفت کا مرکز تھا۔ اب آپکے رحم پر ہے۔ کیا اس وقت آپ کے اندر انتقام لینے کا کوئی جوش

پیدا ہوا! کیا اگر آپ چاہتے تو اس وقت تمام کے سر کاٹ نہیں سکتے تھے ؟ کیا ان جانی دشمنوں کو جنہوں نے آپ کو کسی طرح پر امن نہ دیا جنہوں نے آپ کو مجبور کیا کہ وطن چھوڑ کر دوسری جگہ پناہ لیں جنہوں نے ہر طرح سے آپ کی تحقیر کی اور آپ سے تمسخر کیا جنہوں نے ایسی عداوت اور سختی کے ساتھ جو نہ صرف معقولیت کا رنگ ہی رکھتی تھی بلکہ ظالمانہ بھی آپ کو تکلیفیں دیں۔ کیا ایسے دشمنوں کو قتل کر دینے کا آپ کو حق نہ تھا ؟ لیکن ذاتیات کا خیال کبھی آپ کے دل میں نہیں آیا۔ آپ نے ذاتی طور پر اپنے حاکم ہونے کا کسی طرح اظہار نہیں کیا۔ شاہانہ اختیارات کو اپنی ذات کے لئے برتنے سے انکار کیا۔ اور جب قریش کے متکبر سردار آپ کے سامنے آئے تو آپ نے پوچھا تم مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا رحم کی۔ فرمایا اچھا تم سب آزاد ہو۔"

"آپ کی سادگی۔ آپ کی انسانی ہمدردی۔ آپ کی کفایت شعاری۔ آپکی درگذر۔ آپ کی متانت۔ آپ کی مضبوطی۔ آپ کا مصائب میں استقلال آپکا طاقت کے وقت فروتنی اختیار کرنا۔ آپ کا قوت کے وقت عاجزی کا اظہار کرنا۔ آپ کی حیوانوں کے لئے رحمدلی۔ آپ کی بچوں سے محبت۔ آپ کا انصاف اور عدل کے اوپر غیر متزلزل ہو کر قایم ہونا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی اور مثال ہے۔ جہاں اس قدر اعلیٰ اخلاق ایک ہی شخص کی ذات میں جمع ہوئے ہوں؟"

" دو صدیوں واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور حق کو دبا رکھنے کے بعد محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت آج ممتاز طور پر سامنے آتی ہے اور غیر مسلم دنیا کو تعریف اور عزت کے لئے مجبور کر دیتی ہے۔ وہ اب مفتری نہیں

بلکہ ایک عظیم الشان معلم ہے۔ وہ مرگی میں بیمار نہیں بلکہ نہایت ہی مضبوط اخلاق اور نہ جھکنے والے عزم کا مالک ہے۔ وہ اب ایک خود غرض خود مختار حاکم نہیں جو اپنی ذاتی اغراض کو پورا کر رہا ہو۔ بلکہ ایک فیاض بادشاہ ہے۔ جو اپنے اردگرد نور اور محبت پھیلا رہا ہے۔ وہ ضروریات وقت پر چلنے والا نہیں۔ بلکہ ایک نبی ہے جو ایک مستقل مقصد کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اور اپنے استقلال میں ذرہ بھر جنبش نہیں کھاتا۔ یہ سب باتیں یورپ نے اب تسلیم کر لی ہیں اور آزادی سے تسلیم کر لی ہیں۔ آج ہمارے پاس انگریزی میں گبنس۔ ڈریون۔ بورٹ۔ یا سورتھ سمتھ اور کارلائل کی تصنیفات ہیں جرمنی میں کرنیل اور گرم کی برطانوی زبان میں سٹینی کی قابل یاد تصنیف ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی فاضلانہ تصنیفات ہیں۔ مگر وہ ان تعصبات سے پاک نہیں جو ایک وقت مسیحی ممالک کا مایہ ناز تھیں"۔

الغرض پروفیسر رینان کے اس مقولہ پر کہ مسیح انسانوں کے لئے ایک عمدہ رہنما اور بہترین نمونہ ہے جس قدر ہم بہ نگاہ تعمق غور کرتے ہیں اسی قدر اس کی صحت پر شبہ قوی ہوتا جاتا ہے۔ وہ اخلاق جن کی تعلیم حضرت مسیحؑ نے پہاڑی وعظ میں دی ہے ان پر عملدرآمد ان کے اول متبعین بھی نہیں کر سکے اس وعظ کے نصائح کو خیالی طور پر جتنا چاہو بلند مقام دیدو مگر گزشتہ دو ہزار سال سے جب یہ تعلیم دی گئی دنیا نے اپنے آپ کو اس قابل نہیں پایا کہ ان نصائح کو عمل میں لا سکے بلکہ خود مسیح کے مشن کے لئے کام کرنے والوں نے بھی اپنے آپ کو اخلاق کے ان ناقابل عملدرآمد اصول پر عمل کے بالکل ناقابل پایا ہے۔ اور وہ صرف مسیح کی آمد ثانی کے انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ جب خدا کی سلطنت صلح آشتی اور محبت

کو بحال کرنے کے لئے آئے گی اور انسان تمام بظاہر سخت مگر فی الواقع صحیح انسانی
جذبات سے الگ ہو کر اس تعلیم پر عملدر آمد کے قابل ہو جائے گا۔ ہم اس عذر خواہی
کو بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ ہماری طبائع کا وہ حصہ جو
بظاہر سخت نظر آتا ہے۔ اور قیام امن کے لئے سخت خطرناک سمجھا جاتا ہے مگر جو
فی الواقع امن کے قایم رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ کہاں جائیگا۔ حضرت مسیح ہماری
نرم اور دوسروں سے اثر پذیر ہو جانے والی صفات میں بیشک ہمارے ہادی
بن سکیں۔ مگر نسل انسانی کی خوشی کا انحصار بڑی حد تک ان اخلاق کے ظہور پذیر
ہونے پر بھی ہے۔ جو ہماری طبائع کے سخت پہلو کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ مثلاً
نفرت۔ ناراضگی۔ بدلہ لینا۔ جان اور مال کی حفاظت ان صفات شدیدہ کے
ظہور پذیر ہوئے بغیر قایم نہیں رہ سکتی۔ ایک شخص کا اختیار ہے کہ ان کا نام
اونے جذبات رکھے لیکن کیا ہمارا جھوٹ سے نفرت رکھنا۔ ہمارا کسی ظالمانہ
فعل یا غلطی پر ناراض ہونا ایک مجرم کو انصاف اور عدالت کے تقاضا کے
ماتحت لانا اور جو جرم اس نے سوسائٹی کے خلاف کیا ہے اس کی پاداش
اس کو دینا۔ کیا یہ تقویٰ اور خدا ترسی میں داخل نہیں؟ سچ یہی ہے کہ یہ جذبات
بھی اپنے صحیح موقعہ پر استعمال ہو کر فائدہ دے سکتے ہیں۔ ہاں غلط موقعہ پر استعمال
کرنے سے یہی صفات وحشیانہ رنگ اختیار کر لیتی ہیں مگر انہی کو موقعہ پر استعمال
میں لاؤ تو اعلیٰ درجہ کے اخلاق بن جاتے ہیں یہ کہنا کہ یہ جذبات انسانی دور
کرنے کے قابل ہیں۔ خود حکمت الٰہی پر اعتراض کرنا ہے۔ کیا نفرت اور غصہ طبیعت
انسانی کے ضروری اجزاء نہیں؟ کیا ان سے کاروبار انسانی پر اثر نہیں پڑتا؟

اور اگر انسان کو خدا کی شکل پر پیدا کیا گیا ہے تو کیا یہ ماننا نہیں پڑتا کہ جس قسم کی صفات انسان میں رکھی گئی ہیں خواہ وہ نرم ہوں یا سخت یہ محض اخلاق الٰہی کے عکس ہیں اور ان کے بغیر انسان اس دنیا میں نہیں رہ سکتا۔ کیا خود قانون قدرت میں ہم ان صفات کو کام کرتا ہوا انہیں دیکھتے جو اسی اخلاق کا بہترین مرقع ہے؟ کیا بائبل میں ان کو صفات الٰہی میں داخل نہیں کیا گیا؟ اس لیے اگر ہم ان کو عمل میں لائیں تو یقیناً ہم الٰہی منشاء کے مطابق عمل کرنے والے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جذبات تربیت اور آراستگی کے محتاج ہیں اس لیے جس شخص کی تربیت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے کی ہو یعنی جن کا وجود خدائی صفات کا مظہر ہو وہیں یہ جذبات ٹھیک طور پر استعمال ہونگے لیکن اگر ہم دونوں گالوں پر تھپیڑ کھانے کی تعلیم پر عامل ہوں تو نہ صرف صفات شدیدہ ہی جو کہ صفات الٰہی کا مظہر ہیں نیست و نابود ہو جائیں گی۔ بلکہ جان اور مال کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام باقی نہیں رہ سکتا۔ بدی کا مقابلہ کسی صورت میں نہ کرو۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ظلم اور شرارت پر کوئی روک نہ رہے۔ اس قسم کے اخلاق کو کتنے ہی دل خوش کن الفاظ میں ذکر کر لو عمل میں آنے کے قابل نہیں اور نہ قیامت کے دن تک عمل میں آ سکتے ہیں پس پہاڑی وعظ کا واعظ ان حالات عالم کے ماتحت انسانوں کے لئے بہترین نمونہ اور کامل ہادی نہیں ہو سکتا جیسا کہ پروفیسر ریان انہیں بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن نفرت غصہ اور انتقام کے صفات کو چھوڑ کر اور بہت سی اخلاقی صفات ہیں جو ہم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ مگر جو ان عیسائی اخلاق کی فہرست میں شامل نہیں جن پر خصوصیت سے زور دیا جاتا ہے۔ حیا۔ نرمی اور صبر سے اخلاق انسانی

کی فہرست ختم نہیں ہو جاتی۔ بہادری۔ انصاف۔ مردانگی۔ فیاضی۔ اپنے اوپر اعتماد اور بہت سے دوسرے اعلیٰ درجہ کے اخلاق ہیں جن کا ذکر پہاڑی تعلیم میں نہیں۔ اور نہ حضرت مسیح کی زندگی میں وہ ظہور پذیر ہوئے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح خدا کے ایک برگزیدہ رسول تھے اور ضرور ہی کہ یہ صفات عالیہ ان کے اندر بطور ایک بیج کے موجود ہوں مگر ان کو نشوونما پانے کا موقعہ نہیں ملا۔ اور اس لئے آپکے وجود میں ان کا ظہور نہیں ہوا ✦

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عمل میں بہترین نمونہ ہیں

مگر ایک چیز کا ایک انسان کے اندر بالقوہ موجود ہونا اس کے بالفعل ہونے پر کوئی شہادت نہیں۔ اور بدی کی نفی کا پہلو اس کے مقابل کی نیکی کے اثبات کی کوئی دلیل نہیں۔ بالخصوص اخلاق کے معلمین ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں سے دوسرے ایک نمونہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب معلم اخلاق میں اس نمونہ کا ظہور نہیں ہوا تو دوسرا اس سے کیا فائدہ اُٹھائے گا۔ عفو اور درگذر پر سکینی اور فروتنی پر چاہے لمبے وعظ چاہو کئے جاؤ۔ مگر یہ وہ اثر پیدا نہیں کر سکتے جو ایک مثال پیدا کر سکتی ہے۔ اور منہ سے کہدینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کہنے والے میں واقعی وہ اخلاق

موجود ہیں۔ لفظ وہی موثر ہو سکتے ہیں۔ جو خیال سے نکل کر عمل کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ تم عفو اور فروتنی کا سبق دوسرے کو کس طرح سکھا سکتے ہو اگر خود تمہیں کبھی یہ اتفاق نہیں ہوا کہ زندگی میں سخت امتحانات اور خطرات کا مقابلہ کرو جیسے کہ مسیح نے کیا۔ اس لئے ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح اسلام کے پاک اور مقدس واعظ میں تمام اخلاق انسانی اعلیٰ سے اعلیٰ رنگ میں ظہور پذیر ہوئے یتیمی کی حالت سے لے کر بادشاہت تک پہنچے ہیں ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے تمام مختلف منازل میں سے گزرنا پڑا۔ مختلف قسم کے واقعات آپ کی زندگی میں پیدا ہوتے رہے جن میں طبیعت انسانی کے مختلف پہلوؤں کا ظہور ضروری ہوا۔ آپ ہر قدم پر پورے گئے۔ مگر کبھی کسی قسم کی کمی آپ میں نہ پائی گئی۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایک نمونہ کی ضرورت ہے۔ پھر کس قدر ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایک ہی لاثانی انسان کی زندگی میں وہ سارے مختلف پہلو ہمارے لئے روشن کر دیئے گئے ہیں بادشاہ۔ مدبر۔ سپاہی۔ جرنیل۔ مقنن۔ تاجر۔ دوست۔ باپ۔ بیٹا۔ خاوند۔ ہمسایہ انسانی زندگی کے یہ تمام شعبے کیسے خوبصورت پیرایوں میں ہمارے سامنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں موجود ہیں۔ اور ہمیں اس کے وعظ اور اس کی تعلیم سے اس کے متعلق اندازہ لگانے یا اس سے اخلاق سیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے اعمال اور افعال میں سب کچھ ہمارے لئے روشن کر دیا گیا۔

نمونہ سے تعلیم

اس بات میں بھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے کل نبیوں پر فضیلت حاصل ہے وہ ہمارے لئے حکمت اور ہدایت کا ورثہ چھوڑتے ہیں مگر الفاظ میں۔ لیکن عمل میں اگر اس حکمت اور ہدایت کو دیکھنا چاہو تو ان کی زندگیاں اب اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتیں۔ حالانکہ ہماری سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہمیں وہ تعلیم ملے جو عمل کا جامہ پہن چکی ہے۔ ایسی تعلیم ہی ہمیں اس قابل بناتی ہے کہ ہم ان معلموں کی ٹھیک قدر کریں اور ہمیں یہ طاقت دیتی ہے کہ ہم ان تعلیمات پر عمل کریں۔ لیکن بدقسمتی سے جو کچھ حالات دیگر انبیاء[1] کے ہمیں ملتے ہیں ان میں یہ بات بہت کم پائی جاتی ہے۔ تاریخ نے ان کے اور ہمارے درمیان ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ ان کی زندگی تاریخ کی روشنی کے نیچے نہیں۔

تاریخی نبی

ان کے سوانح ایک تاریکی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جو کچھ معلوم بھی ہوتا ہے اس میں کچھ اجنبی پن اور حالات موجودہ سے دور افتادگی نظر آتی ہے۔ ان کی گفتگو ایک دور کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ اور جو چند الفاظ انکے منہ سے نکلے ہوئے ہم تک پہنچتے ہیں ان سے ان کے اخلاق کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم قیصر روم اور اسکندر اعظم سے بھی بڑھکر تاریخی انسان ہیں۔ آپ کی زندگی ایک شیشہ کی طرح ہمارے سامنے ہے اور اس

[1] دیگر انبیاء

شیشہ میں پوری صفائی اور آب تاب کے ساتھ فطرت انسانی کی مختلف شاخوں کی تصویریں
بلند حوصلگی. فیاضی. بہادری. صبر. فروتنی. عفو اور دوسرے اخلاق فاضلہ کا انعکاس
کمال صفائی سے نظر آرہا ہے. آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک نہایت ہی
موثر تفسیر قرآن کریم کی ہے. قرآن میں جس خوبی یا نیکی کے حاصل کرنے کا ارشاد ہے.
اس نیکی اور خوبی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دیکھ لو. اور جس بدی سے
بچنے کا حکم ہے اس سے تنفر کا نقشہ بھی نبی کریم کی زندگی میں کھینچا ہوا دیکھ لو. یہ ایک
معمولی بات نہیں. اس کے بغیر ہم ایک معلم کی تعلیم کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگا سکتے.
بلکہ صرف تعلیم کو جہاں نمونہ نہ ملے دیکھ کر ایک قسم کی مایوسی ہو جاتی ہے لیکن صرف
معلم کی عزت اور ادب کو ملحوظ رکھکر ہم اس تعلیم کا نام بلند پروازی رکھ لیتے ہیں.
جس سے اصل منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ قابل عملدرآمد نہیں اپنے دشمن سے محبت کرو
یہ تعلیم عیسائیت میں ایک خواب کے رنگ میں ہی رہی. مگر حضرت محمد مصطفے صلی اللہ
علیہ وسلم نے وہ راہ بھی بتا دی کہ عملاً ہم دشمن سے محبت کس طرح کر سکتے ہیں. وہ بات
جو آنحضرت نے فرمائی وہ انسانیت کے ایک حقیقی مربی کے منہ سے ہی نکل سکتی تھی.
یعنی یہ کہ اللہ کی محبت کے لیے اپنے مالوں کا ایک حصہ ان دشمنوں کو آزاد کرنے
میں صرف کرو جن کو تم نے جنگ میں قید کر لیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے صدقات
کے حکم میں صاف ارشاد الٰہی ہے پھر اس سے بھی آگے قدم رکھکر نبی کریم صلے اللہ
علیہ وسلم نے کئی موقعوں پر خود اس پر عمل کرکے دکھایا اور مسلم فاتحین نے آنجناب کے
نقش قدم پر چلکر اس کے بہتیرے نمونے دکھائے ہیں جن کی مثل دکھانے سے دنیا عاجز ہے

(نوٹ) انگریزی ترجمہ قرآن مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے) اس طرح قرآن کریم کا (باقی بر صفحہ)

مصائب میں آنحضرت صلعم کا نمونہ

اصل بات یہی ہے کہ جس شخص نے اپنی زندگی میں انقلابات اور تغیرات کو نہیں دیکھا وہ دوسروں کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتا جس کے نقش قدم پر وہ چل سکیں۔ ہر ایک اخلاقی صفت اپنے ظہور کے لئے بعض حالات کے پیدا ہونے کی محتاج ہے۔ اور کوئی شخص اس خلق کا صاحب نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ حالات اس کی زندگی میں پیدا ہو کر اس صفت کا ظہور نہ ہو جائے۔ مصیبت اور خوشحالی کا انسان کی زندگی میں آنا مختلف قسم کے اخلاق کے ظہور کے لئے ضروری ہے۔ امتحانوں اور مصیبتوں سے انسان کے اخلاق نکھرتے ہیں۔ اور خوشحالی میں اس کی حقیقی شرافت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر فی الواقع وہ اس میں موجود ہے۔ انسانیت صرف رقت قلب کا ہی نام نہیں۔ بلکہ بہت سے اخلاق کے مجموعہ کا نام ہے جن میں سے بعض میں نرمی کا پہلو اور بعض میں خشونت کا پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ اخلاق ظہور پذیر ہونے کے لئے مختلف حالات کے محتاج ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بیکسی اور بیچارگی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مگر بہتیرے ایسے بھی ہیں جو طاقت اور خوشحالی کے وقت باہر آتے ہیں۔ نسل انسانی کے ہادیوں میں سے بہت تھوڑے ایسے ہوئے ہیں جنکو دونوں قسم کے حالات پیش آئے ہوں لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے چونکہ انسانوں کیلئے کامل نمونہ بننا تھا اسلئے زندگی کے ہر قسم کے حالات ہی آپ کو گذارا گیا۔ اگر خوشحالی آپ کی فیاضی اور سخاوت۔ آپکے عفو

(باقی صفحہ ۲۹) ہر ایک حکم نبی کریم صلعم کی زندگی میں عملی جامہ پہنے ہوئے نظر آتا ہے۔ آپکی زندگی میں ہر قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ہر واقعہ میں آپ کا کوئی نہ کوئی کمال اور خوبی ظہور پذیر ہوتی ہے۔[۱۳]

اور آپ کی بلند حوصلگی کو روشنی میں لاتی ہے تو مصیبت آپ کو یہ موقعہ دیتی ہے کہ آپ صبر، استقلال اور خدا پر بھروسہ کے جوہر دکھائیں ؎

آنحضرت صلعم کا اللہ پر توکل

از قدوائی

وہ مصائب جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں اُٹھانے پڑے ایسے سخت تھے کہ اس سے بڑھکر سختی ہو نہیں سکتی۔ تاریخ میں چند مثالیں ایسے لوگوں کی پائی جاتی ہیں جو اس وجہ سے کہ زندگی کے کسی شعبہ میں وہ پہلے کام کرنے والے تھے اپنے ہمعصروں سے ستائے گئے۔ مگر وہ تکلیفیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو برداشت کرنی پڑیں جب آپنے اپنے بت پرست ہموطنوں کو جو ہر قسم کی ذلیل سے ذلیل بدیوں میں مبتلا تھے ایک خدا کی طرف اور نیکی اور پاکیزگی کی طرف بلایا اس سے بڑھکر خطرناک حالات کسی دوسرے کو پیش نہیں آئے۔ ابتدا میں آپؐ کو اور آپؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اور بہت تھوڑے پیرووں کو ان تکلیفوں اور دکھوں کا نشانہ بننا پڑا۔ اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا قبل اس کے جو آپنے اپنے منجانب اللہ ہونے کا اعلان کیا۔ آپ لوگوں میں الامین کے نام سے مشہور تھے۔ اور آپ کی عزت کی جاتی تھی۔ مگر جونہی کہ آپنے لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلانا شروع کیا۔ آپ کی تحقیر کی گئی اور برا کہا گیا۔ ایذا دی گئی اور آپکے پیرووں کو یہانتک

دکھ دیا گیا کہ آپ کو انہیں تنگ عرب سے باہر بھیجنا پڑا۔ اہل مکہ سے ایک عرصہ دراز تک تکلیفیں اٹھانے کے بعد آپ نے طائف کا رخ کیا۔ مگر وہاں آپ کا استقبال پتھروں کے ساتھ ہوا۔ اور آپ کو زخمی ہو کر وہاں سے واپس آنا پڑا۔ واپسی کے وقت آپ ایک درخت کے سایہ کے نیچے لیٹ گئے اور سو گئے اتنے میں ایک دشمن آپہنچا۔ اور آپ کی ہی تلوار ہاتھ میں لیکر آپ کو جگا دیا اور کہا اے محمد (صلعم) تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپکے دل پر ایک لمحہ کے لیئے بھی خوف طاری نہیں ہوا اور نہ آپ نے کچھ تامل کیا۔ بلکہ فوراً جواب دیا۔ میرا خدا۔ اس جواب سے جو ان حالات میں ایک عاجز انسان کے وہم میں بھی نہ آسکتا تھا۔ دشمن ایسا مرعوب ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور آنحضرت نے اسے فوراً اٹھا کر اسے کہا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس پر دشمن نے رحم کی درخواست کی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ایسے انسان نہ تھے کہ اپنی بڑائی کو بھی درمیان آنے دیتے۔ آپ نے اس مغلوب اور عاجز دشمن کو کہا وہی خدا جس نے مجھے تیرے ہاتھ سے بچایا تجھے بچائے گا۔ یہ تھا آپ کا اللہ جل شانہ پر توکل کہ سخت سے سخت مایوس کن حالات میں بھی آپکے توکل میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا اور وہ دشمن جس نے اس عظیم الشان اخلاقی معجزہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

غرض مکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیفیں پہنچائی گئیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ ان سب تکلیفوں کے بعد آخر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تین سال تک مکہ میں ہی ایک کونہ میں محصور کر دیا گیا۔ اور آپکے ساتھ اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ لین دین ہر قسم کا معاملہ بند کر دیا گیا۔ اور بالآخر آپ کی جان

لینے کی مضبوط تدبیریں کی گئیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کے ان منصوبوں پر آپ کو اطلاع دیدی اور اس حال میں کہ آپ کے قتل کے لئے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔ آپ تائید الٰہی سے ان دشمنوں کے اندر سے نکل گئے اور ایک ہی رفیق کے ساتھ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کا ارادہ کیا مگر چونکہ دشمن آپ کے تعاقب میں سرگرم تھا اس لئے پہلے آپ نے اور آپ کے ساتھی نے ایک غار کے اندر پناہ لی۔ دشمن یہاں بھی پہنچے۔ اور جب عین اس غار کے منہ پر آ پہنچے۔ تو ان کے پاؤں کی آہٹ بھی آپ کے اور آپ کے ساتھی کے کانوں میں پہنچی۔ مگر آپ کے رفیق خدا کے فضل سے ان رفقاء کی طرح نہ تھے جنہوں نے اپنے آقا کو دکھ دیا۔ اور نہ ان کی طرح جنہوں نے دکھ اور مصیبت کے وقت میں اپنے نبی کا ساتھ نہ دیا حالانکہ وہ بار بار ان سے التجا بھی کرتا رہا حضرت ابو بکرؓ جو اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار تھے۔ ان کو اپنی جان کی تو کوئی فکر نہ تھی۔ اور وہ جانتے بھی تھے کہ دشمن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ہی ہے۔ مگر وہ آنحضرتؐ سے اپنی ذات سے بھی بڑھکر محبت رکھتے تھے۔ اس لئے جب دشمن کے پاؤں کی آہٹ سنی تو انہوں نے فکر ظاہر کیا اور کہا ہم تو صرف دو ہیں اور دشمن بہت ہیں۔ اب جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی معرض خطر میں تھی۔ جبکہ دشمن آپ پر گویا قابو پا ہی چکا تھا آپؐ کے منہ سے کیا لفظ نکلتے ہیں۔ اگر ایسے حالات میں آپؐ کے منہ سے وہی لفظ نکل جاتے جو آپ کے پہلے ایسے ہی حالات میں ایک نبی کے منہ سے نکل چکے تھے۔ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ تو آپ معذور ہی سمجھے جاتے۔ مگر نہیں آپ کے وہم میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات نہ آسکتی

تھی کہ جو دنیا کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ وہ جو اس کا خدا ہے جس کی خاطر آپنے
ان سب دکھوں اور تکلیفوں کو اُٹھایا۔ اور راحت اور آرام کو چھوڑا جس کی خاطر
کے لئے وہ اب اپنا گھر بھی چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے۔ تاکہ دوسرے مقام میں جاکر
اس کی توحید اور اس کے جلال کی آواز کو بلند کریں۔ وہ آپکو چھوڑ سکتا ہی۔ یہ امر بھی یاد
رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم میں جو کچھ ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ اور جو کچھ وجاہت
آپکی تھی وہ خدا کی توحید کے وعظ پر آپنے قربان کردی تھی۔ آپ ملک کے معزز سے معزز خاندان کے معزز
شاخ میں سے تھے۔ اور شرافت اور سرداری کا خون آپ کی رگوں میں موجزن
تھا ذاتی طور پر بھی آپ کی عزت کل قوم میں تھی۔ اور ہر ایک شخص آپسے محبت
کرتا تھا۔ مگر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کام کے لئے چنا اور اس کے ارشاد
کے ماتحت آپنے اپنے بھائیوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ آپ کی عزت
اور وجاہت جو عوام الناس میں تھی چھن گئی۔ اور آپ کی جان ایک خطرہ کی
حالت میں پڑ گئی۔ اور اب غار میں وہ خطرہ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ آپ کا اکیلا
رفیق آپ کے لیے متفکر ہے۔ دشمن سر پر ہے۔ اور وہ پکار اُٹھتا ہے کہ ہم
صرف دو ہیں۔ مگر کیا قوت اور شوکت ہے اس کلام میں جو اس وقت آپکے
منہ سے نکلتا ہے لا تحزن ان اللہ معنا۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔
ہاں بیشک اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں اس مقدس انسان کے ساتھ تھا
بجلی کے چمکارمیں۔ بادل کی گرج میں۔ سفر میں۔ حضر میں۔ جاگتے سوتے۔ فکر اور
غم میں۔ خوشی اور راحت میں۔ ہر وقت اور ہر جگہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کو خدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس کا خدا اس کے لیے ہر جگہ موجود تھا کی

ہر حالت کو جاننے والا۔ اس کا ناصر اور محبت کرنے والا خدا ہمیشہ اس کے ساتھ جس حد تک آپ کا توکل خدا کی ذات پر پہنچا ہوا تھا اس کے برابر کسی دوسرے انسان کا توکل نہیں پہنچا۔ اس کی روح پر خدا کی برکات ہوں اور خدا کی تائیدیں اور نصرتیں ان کے ساتھ ہوں جو اس کے پیرو ہیں۔ آمین *

حصول طاقت پر آنحضرت صلعم کے اخلاق کا اظہار

بہت تھوڑے لوگ ہیں جو طاقتور ہو جانے پر اپنے مصائب اور بیکسی کے دنوں کو یاد رکھیں۔ مگر ایک قوی قلب اور کریم انسان حالات زمانہ کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتا۔ تبدیلیٔ حالات اس کے لئے محض چند جدید واقعات کا پیش آجانا ہے جس کی وجہ سے اس کی کچھ اور پوشیدہ خوبیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جو پہلے حالات کے ماتحت ظہور پذیر نہ ہو سکتی تھیں۔ ہر ایک نیکی اپنا ایک خاص رنگ رکھتی ہے اور بعض حالات کا پیدا ہونا اس کے ظہور کے لئے ضروری ہوتا ہے جن کے بغیر وہ بیج کے طور پر مخفی تو رہتی ہے۔ مگر نشو و نما پا کر دنیا میں ظاہر نہیں ہوتی۔ مثلاً عفو کی صفت وہی انسان دکھا سکتا ہے جو تین حالتوں میں ہو گزرے۔ اول وہ خود مصیبتوں میں رہے اور اس بیکسی کے وقت اس کے دشمن دل کھول کر اسے ستائیں۔ دوسرے مصائب سے نکل کر وہ طاقتور بن جائے۔ تیسرے اس کے دشمن اس کے رحم پر ہوں اور اس کے سامنے سزا پانے کے لئے لائے جائیں۔ تب وہ ان کو سزا دینے کی بجائے درگزر سے کام لے کسی شخص کے متعلق کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے رحم دکھایا جبکہ اس کے سامنے کوئی رحم کا خواستگار ہی نہیں آیا۔

اور رحم کی طرح عفو بھی وہی دکھا سکتا ہے جو اپنے ستانے والوں کے ہاتھ سے آزاد ہو کر آخر انہی پر غلبہ پاتا ہے اور وہ اس کے عفو کے خواستگار ہوتے ہیں۔ مگر جبتک یہ تغیر حالات پیدا نہ ہو کہ حالت مظلومیت سے نکل کر انسان اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر غلبہ پائے۔ عفو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ قابل تعریف فروتنی کے ساتھ حضرت مسیح نے ان تکلیفوں اور استہزاؤں کو برداشت کیا جو بنی اسرائیل کی طرف سے آپ کو پہنچتے رہے۔ اور زندگی کے مشکل سے مشکل امتحانات میں جو آپ پر وارد ہوئے حیرت انگیز صبر دکھایا اور کس قدر کریمانہ وہ لفظ تھے جو صلیب پر آپ کے منہ سے اپنے دشمنوں کے حق میں نکلے "باپ ان کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے وہ کیا کرتے ہیں" مکہ کا وہ اولوالعزم نبی تیرہ سال تک اس سے بڑھکر مصائب اُٹھاتا رہا جو تین سال تک حضرت مسیح کو اُٹھانے پڑے۔ اور اس سے بھی بڑھکر کریمانہ الفاظ میں اپنے صبر و استقلال کا ثبوت دیتا رہا۔ تیرہ سال تک مکہ میں آپ کو قسم قسم کے دکھوں کا شکار ہونا پڑا مگر وہ صبر و استقلال کا ایک پہاڑ تھا۔ آپ کو جسمانی طور پر بھی تکلیفیں پہنچائی گئیں اور آپ کے قلب کو صدمات پہنچائے گئے۔ مگر آپ ہمیشہ اپنے دکھ دینے والوں کے لئے دعائیں ہی کرتے رہے۔ جب آپ طایف سے واپسی پر زخموں اور تکان سے چور چور ہو رہے تھے۔ اور سخت مصیبت اور بیکسی کا سماں چاروں طرف نظر آتا تھا۔ اس وقت کی آپ کی یہ دعا تھی "اے خدا میں تیری طرف ہی اپنی شکایت لاتا ہوں۔ اپنی کمزوری کی وجہ سے میں انسانوں کی نظروں میں ہیچ ہوں۔ اے خدا جس کا رحم بے پایاں ہے تو جو عاجزوں اور ناتوانوں کا خدا ہے۔ تو میرا خدا ہے۔ مجھے اجنبیوں اور دشمنوں کا نشانہ نہ چھوڑیو۔ اگر تو

ناراض نہیں تو میرے لئے رضا ہی رضا ہے۔ تیرے ہی چہرہ کی روشنی میں میں پناہ ڈھونڈھتا ہوں۔ کیونکہ اسی روشنی سے ساری تاریکیاں دور ہوتی ہیں اور سلامتی میسر آتی ہے جس طرح تو چاہے میری مشکلات کو حل فرما۔ اے خدا تو میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے"۔

کس قدر کریمانہ الفاظ ہیں۔ اور جس درد کی حالت میں جس مُنہ سے نکلتے ہیں اس کی وسعت قلب کی کیسی شہادت دیتے ہیں۔ خود سمجھتا ہے کہ وہ کس قدر کمزور اور لوگوں کی نظروں میں ہیچ ہے۔ مگر باایں کس قدر توکل ذات باری پر ہے "اگر تو ناراض نہیں تو میں امن میں ہوں" شدید سے شدید مصائب میں خدا کی نصرت پر کس قدر بھروسہ ہے! مایوسی گویا پاس پھٹک تک نہیں گئی۔ شکایت کا حرف زبان پر نہیں آتا۔ خدا کے چھوڑنے کا وہم بھی دل میں نہیں آتا "جس طرح تو چاہے میری مشکلات کو حل فرما" یہ ایک اور اعلیٰ درجہ کا سبق ہے۔ اور بالخصوص اس تنگ دل واعظ کے لئے جو اس ایک ہی فقرہ "تیری مرضی ہو تو میری" کو بیٹھا رٹ رہا ہے۔ اس دعا کا آخری فقرہ حضرت مسیح کی دعا سے بہت ملتا جلتا ہے۔ مگر کس قدر فرق ہے دونوں نبیوں کے عزم میں نظر آتا ہے۔ ایک تو کہتا ہے۔ ان کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اور دوسرا کہتا ہے ان کو سیدھی راہ دکھا کیونکہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ دونوں کے حالات پر بھی اچھی طرح الفاظ اس طرح چسپاں ہیں جس طرح اس کے مُنہ سے نکلتے ہیں۔ حضرت مسیح صرف انکی معافی کی درخواست کرتے ہیں۔ گویا انکو خود وہ موقعہ نہیں ملتا تھا کہ انکو معاف کریں اور اس طرح خلق عفو کا کمال دکھائیں اس لئے وہ خدا سے انکے گناہ کی معافی کی التجا کرتے ہیں مگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم نے چونکہ اپنے دشمنوں پر غلبہ پاکر خود انہیں معاف بھی کرنا تھا۔ اس لئے عالم الغیب خدا آپ کے منہ سے معافی کی دعا نہیں نکلواتا۔ بلکہ اس سے بڑھکر ایک دعا نکلواتا ہے جن کے اندر معافی گویا شامل ہے عفو صرف گزشتہ کے لئے ہے ہدایت میں گزشتہ کا لفظ بھی آجاتا ہے۔ اور آیندہ کی اصلاح بھی پس جو ہدایت کی دعا کرتا ہے وہ معافی کو بھی شامل کرلیتا ہے۔ کیونکہ بغیر معافی کے ہدایت نہیں ہوسکتی پس اگر ایک طرف آپ کی اس دعا میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ ان دشمنوں پر طاقت پاکر خود عفو کرینگے تو دوسری طرف ان کی ہدایت کی دعا کر کے عفو کو بھی گویا ساتھ شامل کرلیا ہے۔ اور ایسے الفاظ اختیار فرمائے ہیں جو مسیح کی دعا سے بہت جامع ہیں۔ اور ان لفظوں کے اندر جو پیشگوئی تھی وہ اس طرح پوری ہو کر رہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں پر ظاہری غلبہ حاصل کیا۔ اور جن لوگوں نے آپ کو دکھ دیئے تھے آپ نے انہیں خود معاف فرماکر عفو کی اصل حقیقت کو واضح کردیا +

کمال عفو کی صفت حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ہی دکھا سکتے تھے نہ حضرت مسیح

میں اوپر بتا چکا ہوں کہ صفت عفو کے ظہور کے لئے تین حالتوں کا پیش آنا لازمی ہے۔ اول یہ کہ ایک انسان دشمن کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے۔ دوسرے یہ کہ وہ دشمن آخر کار غلبہ پالے۔ تیسرے یہ کہ اس غلبہ کے وقت جائز سزا کی

بجائے عفو سے کام لیا جائے جبتک یہ تین شرائط پوری نہ ہوں اس وقت
تک صفت عفو اپنے اصلی رنگ میں ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اب حضرت مسیح کو دکھ تو
ضرور دیا گیا۔ مگر نہ آپ نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پایا جنہوں نے آپ کو دکھ دیئے
تھے۔ نہ واقعی طور پر کبھی وہ سزا کے لئے آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ کہ بجائے سزا
دینے کے آپ نے عفو فرمایا ہو لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس صفت
کو اپنے کمال میں دکھایا۔ جب ایک مدت تک اپنے دشمنوں سے تکلیفیں اٹھا کر
آخر آپ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ اسی شہر مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اور وہی
دکھ دینے والے وہی ظالم مغلوب ہو کر آپ کے سامنے سزا کے لئے لائے جاتے
ہیں سارے نوشتے پورے ہوتے ہیں۔ وہ جو بھاگ کر گیا تھا فاتح ہو کر واپس
آتا ہے۔ تیرہ سال تک آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو وہ دکھ دیئے گئے تھے
جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہی ظالم اب مجرمانہ حیثیت میں آپ کے
سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اور بجز اعتراف جرم کے چارہ نہیں دیکھتے۔ اگر آپ اس
وقت ان کے سر کاٹ دیتے یا ان کو غلام بنا لیتے تو دنیا کا کوئی قانون آپ کو
ملزم نہیں کر سکتا۔ اور ان کو خطرناک سزا دینا تقاضائے انصاف
ہی ہوتا نہ کچھ اور۔ وہ سلوک جو رامچندر یا کرشن یا یوشع نے اپنے دشمنوں پر فتح
پا کر ان سے کیا۔ اگر وہی سلوک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے دشمنوں سے
کرتے تو بالکل بجا ہوتا۔ بلکہ آپ اور آپ کے ساتھی تو ان دشمنوں سے اس سے
بدرجہا زیادہ دکھ اٹھا چکے تھے جو رامچندر یا کرشن یا یوشع نے اٹھائے ہوں۔
لیکن ارحم الراحمین کی صفت عفو یہ چاہتی تھی کہ ایک اس کا کامل مظہر بھی دنیا

میں پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ نے انبیاء کو وقتاً فوقتاً اُٹھایا۔ اور اپنی صفات کا مظہران کو ٹھہرایا۔ ان انبیاء میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے آخر آئے اور ضرور تھا کہ سب سے کامل مظہر ہو کر آپ تشریف لاتے۔ اور وہ صفات الٰہی جنہوں نے اب تک انسانوں میں پورا نشوونما حاصل نہ کیا تھا وہ بھی اب ظہور پذیر ہوں الٰہی صفات عالیہ میں سے ایک عفو ہے جو اپنے ظہور کے لئے خاص موقعہ اور خاص حالات کو چاہتی ہے۔ حضرت مسیح کی زندگی میں نہ وہ موقعہ ہوا نہ وہ حالات پیش آئے۔ اور ایسا ہی دوسروں کی حالت نظر آتی ہے یعنی اس صفت میں کمال ظاہر کرنے کا موقعہ ان کو نہیں ملا لیکن ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ موقعہ دیا گیا اور آپ نے خدا کی اس صفت کے مظہر کامل ہونے کا حق ادا کر دیا آپ کے دشمن جب مغلوب ہو کر آپ کے سامنے آتے ہیں تو درخواست بھی یہی کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کی طرف نہ جائیے۔ بلکہ اپنے کرم پر نظر فرمائیے۔ کیونکہ آپ کریم ابن کریم ہیں۔ اور یہ ان کی درخواست کیسی برمحل تھی۔ اور اسی انسان کے سامنے کی گئی تھی۔ جو اُسے فی الواقع قبول کر سکتا تھا ✦

حضرت محمد مصطفیٰ صلعم اور قیدی عیسائی خاتون

از مولوی صدرالدین صاحب

تلوار کا ہاتھ میں اُٹھانا ہمیشہ خونریزی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات حمایت اور حقوق کی حفاظت کے لئے بھی تلوار ہاتھ میں لینی پڑتی ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی جنگ کرنے پڑے۔ مگر آپ نے تلوار کو ہاتھ میں نہیں لیا۔

جب تک کہ انسانی زندگی کی حفاظت کے لئے اور اس کے امن قایم کرنے کے
. . . . واسطے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ باقی
نہ رہا ۔ مگر ان جنگوں نے ایک نہایت مفید کام بھی دیا یعنی ان کی وجہ سے وہ
مواقع پیدا ہو گئے جن کا پیدا ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض اخلاق
فاضلہ کے اظہار کے لئے ضروری تھا ۔ اور جو ان حالات کے پیدا نہ ہونے کی
صورت میں مخفی کے مخفی ہی رہ جاتے منجملہ ان اخلاق فاضلہ کے آپ کا ان
اعداء کے ساتھ جو جنگ بعد مغلوب ہو کر آپ کے پاس آئے اعلیٰ درجہ کا نیک
سلوک ہے ۔ جب کبھی کوئی سائل ہو کر آپ کے سامنے آیا تو جس قدر کا وہ سائل
تھا اس سے بڑھکر اس نے پایا یمن کی ایک قوم طے کی شکست کے بعد
قیدیوں میں کچھ عیسائی عورتیں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی
گئیں ۔ جن میں ایک مشہور سخی حاتم کی بیٹی بھی تھی ۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حاتم کی بیٹی ہے تو آپ نے اس کی بڑی مدارات کی ۔ آپ نے
عملی رنگ میں اس کے سامنے یہ ثبوت پیش کیا کہ نیک انسان نیکی کی ہمیشہ قدر
کرتا ہے ۔ آپ نے اس عورت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں سے
محبت کرتا ہے ۔ جو اس کی مخلوق سے ہمدردی رکھتے ہیں ۔ اور اسلام چونکہ اعلیٰ درجہ
کی نیکیوں کو ہی انسان میں پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ اس لئے جہاں کہیں نیکی ہو ۔ وہ اس
کی قدر کرتا ہے ۔ یہ کہکر آپ نے حاتم طائی کی بیٹی کو آزاد کر دیا ۔ مگر حاتم کی بیٹی
اپنے باپ کی وسعت قلبی کو اپنے اندر لئے ہوئے تھی ۔ دوسری طرف نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک اور ایسی پاک سیرت دیکھکر جو نیکی کے شیدا تھے

اس کی جرأت زیادہ ہوئی اور اس نے نہ چاہا کہ آپ کی فیاضی سے اکیلی ہی فائدہ اُٹھائے۔ اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر اس نے یہ گزارش کی کہ اگر میرے قبیلہ کے باقی لوگ قیدیں رہیں تو میں بھی ان کے ساتھ قید میں رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس کی یہ قربانی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے جوانمردی اور نیکی کے قدردان کے سامنے ضائع نہ کی جاسکتی تھی۔ اور اس کی سفارش پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کل قوم کے قیدیوں کو رہا کر دیا اور ان کو مناسب حفاظت کے ساتھ ان کے قبیلہ میں واپس پہنچا دیا۔

اسلام بذریعہ تلوار نہیں پھیلا

اس قسم کے واقعات سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اور جیسا کہ معاندانہ آنکھیں بند کر کے کہدیتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جنگوں کی غرض یہ تھی کہ کفار کو بزور شمشیر دین اسلام میں داخل کیا جائے۔ تو ہر جنگ کے اختتام پر سینکڑوں بلکہ بعض وقت ہزارہا قیدی کیوں آزاد کئے جاتے تھے۔ اور کیوں ان کو اجازت دی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ اور اسلام ان سے قبول نہ کرایا جاتا تھا۔ کیا کوئی شخص ایک بھی واقعہ پیش کرسکتا ہے۔ کہ کبھی کسی کو بجبر مسلمان کیا گیا ہو۔

آنحضرت صلعم کا جہاد

جان اور مال کی حفاظت کے لئے جنگ کرنا ایک انسانی فرض ہے

اور اس کا کام مذہبی جنگ نہیں رکھا جا سکتا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیرت انگیز اور انتھک کوشش اپنے ملک سے بت پرستی دور کرنے کیلئے اور وہاں دوسرے اصلاحات قایم کرنے کے لئے بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ایک خطرناک مخالفت کی آگ بھڑکانے کا موجب ہوگئی۔ عرب کی ہر قوم اپنے علیحدہ بت رکھتی تھی۔ اور اپنے اپنے خداؤں کی عزت قایم رکھنے کیلئے ہر ایک قبیلہ آنحضرت صلعم کے خلاف جنگ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے جب چاروں طرف سے دشمنوں کے حملے آپ پر شروع ہوگئے تو آپ کو بھی وقتاً فوقتاً ان دشمنوں کے مقابل یا تو خود میدان جنگ میں نکلنا پڑتا یا اپنے ساتھیوں کو دشمنوں کی پیش دستی کو روکنے کیلئے بھیجنا پڑتا۔ کبھی آپ کو دشمن پر کامل طور پر فتح حاصل ہوتی کبھی کچھ تکلیف بھی اُٹھانی پڑتی مگر کامیابی اور مصیبت دونوں کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کا کوئی نہ کوئی رنگ ہی ظاہر ہوتا تھا۔ ان واقعات کو اگر اکٹھا کر کے ان کو ترتیب دی جائے تو دنیا دیکھے گی کہ آپ کے قوانین جنگ ایسے اعلیٰ درجہ کے تھے کہ ہیگ کانفرنس کے موبدین کے وہم میں بھی نہ آتے ہوں۔ علاوہ ازیں ان قوانین کو یہ خاص وقعت حاصل تھی کہ ان کا بنانے والا وہ شخص ہے جو خدا کا رسول ہے اور معمولی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی یہ عزت کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ امر کہ ہم کو جنگوں کے اندر ایسے قوانین کی سخت ضرورت ہے جو مذہبی رنگ رکھتے ہوں اس جنگ کے مختلف واقعات کے تلخ تجربہ سے بالکل واضح ہو چکا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ جنگ کے وقت ایک ایسی حالت انسانی طبائع کی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے

قوانین پر بھی جنگی ضروریات کے وقت عمل کی پرواہ نہیں کرتے جنیوا کے عہدنامہ اور ہیگ کی کانفرنس کے قوانین اور ضوابط اوروں پر تو کیا اثر ڈالیں گے۔ خود ان قوموں نے بھی ان کا کوئی احترام نہ کیا جو اس عہدنامہ اور کانفرنس کے مجوز اور حامی تھیں۔ ان قوانین کے اندر جنگی قیدیوں کے ساتھ انسانیت اور تہذیب کا برتاؤ ضروری ٹھہرایا گیا تھا۔ اور دشمن کی سول آبادی کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ مگر جب جنگ کا دیو سروں پر سوار ہوا تو بعض قوموں نے ان تمام قوانین کو اُٹھا کر طاق نسیاں میں رکھدیا۔ اور وقت پر جو جی چاہا۔ کیا پھر آج اس کے متعلق کیسی کیسی شکایات سننے میں آتی ہیں۔ اور کیسے کیسے مظالم کے نقشے جو بلجیم میں وقوع میں آئے کھینچے گئے ہیں۔ کارڈینل مرسیئر جن واقعات کو غلامی کے مظالم سے تشبیہ دیتا ہے ان کا ارتکاب جرمنی نہ کرسکتی تھی۔ اگر وہ اپنے جنگی قوانین میں بجائے ہیگ کانفرنس کے اپنے بانی مذہب سے کچھ فائدہ اُٹھا سکتی لیکن یہ اسی صورت میں ممکن تھا۔ جب حضرت مسیح نے بھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی جنگ کئے ہوتے اور ان کے پیروؤں کے سامنے کچھ عملی نمونے ہوتے کہ جنگ کے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ اور سول آبادی کی حفاظت کس طرح کرنی چاہئے۔ ایسی صورت میں جرمن جنرل شاف کے پیش نظر اس قسم کی ہدایات ہوتیں جیسی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مسلمانوں کو دی تھیں جب وہ مدینہ سے شام کی فتح کیلئے نکلے تھے۔

اسلامی قوانین جنگ

"جب جنگ میں دشمنوں سے تمہاری مٹ بھیڑ ہو تو اس طرح پیار سے سلوک کرو جیسا کہ سچے مسلم کو شایاں ہے۔ اور یاد رکھو کہ تمہیں اپنے آپ کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سچے فرزند ثابت کرنا چاہئے۔ فوج کی ترتیب اور تقسیم میں اور تمام لڑائیوں میں بڑی جرأت کے ساتھ اپنے جھنڈوں کی پیروی کرو۔ اور اپنے افسروں کے ہمیشہ فرمانبردار رہو۔ دشمن کے آگے نہ کبھی سر جھکاؤ۔ نہ اس کے سامنے پیٹھ پھیرو۔ کیونکہ تم حق کی خاطر جنگ کر رہے ہو۔ تمہاری خواہش جنگ میں سوائے اس کے کوئی نہیں کہ خدا کا جلال قائم رہے اس لئے جنگ میں داخل ہوتے وقت کچھ بھی خوف نہ کرو۔ اور نہ ہی دشمن کی تعداد سے خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو تمہارے دلوں پر کوئی ہیبت چھائے۔ اگر خدا تعالیٰ تم کو فتح دے تو جو کامیابی تم کو حاصل ہوتی ہے اس سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ اور خبردار رہو کہ تم کس طرح اپنی تلواروں کو اس شخص کے خون سے داغدار کرتے ہو جس نے تمہاری اطاعت اختیار کر لی ہے۔ اور اپنے دشمنوں کے اندر جو تم بچے پاؤ۔ یا جو عورتیں اور بوڑھے آدمی ہوں ان کو ہرگز نہ چھوؤ۔ جب تم دشمن کے ملک میں بڑھنے لگو تو نہ ہی کوئی کھجور کا درخت کاٹو اور نہ ہی کوئی اور ثمردار درخت کاٹو۔ زمین کی پیداوار کو تباہ مت کرو۔ کھیتوں کو نہ اجاڑو مکانوں کو نہ جلاؤ۔ اپنے دشمن کے ذخائر میں سے بھی اس قدر لو جو تمہاری ضرورت کو رفع کرنے کے لئے کافی ہو۔ بلا ضرورت کسی قسم کی بربادی نہ کرو۔

بلکہ صرف دشمن کے شہر پر قبضہ کر لو۔ ہاں اگر وہاں کوئی ایسے لوگ ہوں جو تمہارے دشمنوں کو پناہ دیتے ہیں تو ان کو بیشک تباہ کرو۔ قیدیوں کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے آپکو تمہارے رحم پر چھوڑتے ہیں رحم کا برتاؤ کرو۔ خدا بھی تمہاری ضرورت کے وقت تمہارے ساتھ رحم کا برتاؤ کریگا مگر متکبروں اور باغیوں کو بیشک روند ڈالو۔ اور ان لوگوں کو بھی قرار واقعی سزا دو جو ان شرائط کو توڑتے ہیں جو ان پر عاید کی گئی ہیں۔ جو عہد نامے دشمنوں کے ساتھ کرو ان میں کسی قسم کی بے ایمانی اور دغا بازی نہ ہو۔ تمام معاملات دنیاوی میں تدبر سے کام کرو۔ اپنے آپ کو انصاف کے ساتھ کھڑے ہونے والے اور شریف ثابت کرو۔ اور اپنے قول اور عہد کی پوری حفاظت کرو۔ راہب یا تارک الدنیا کے آرام میں ہرگز خلل نہ ڈالو۔ اور نہ ان کے مکانات کو تباہ کرو۔ ہاں ان لوگوں پر بیشک سزائے موت وارد کرو جو تمہاری شرائط سے انحراف کریں"

(ڈاکٹر عبد المجید۔ قانونی کوارٹرلی ریویو ۱۹۰۸ء) +

یہ ایک مسلم امر ہے کہ ان ہدایات پر نہایت سختی سے عملدرآمد ہوتا رہا ہے ان الفاظ کو پڑھو اور دیکھو کہ موجودہ جنگ میں کس قدر تباہی ان کے خلاف ہوئی ہے۔ کیا اسلام مشہور دشمن بت پرستی اور ہر ایک قسم کے مشرکانہ خیالات کا نہیں؟ دیکھو کہ کس قدر مندر۔ دیوتاؤں اور دیویوں کے جو قیمتی سونے اور سنگ مرمر کے بتوں اور تصویروں سے بھرے پڑے ہیں کامیاب اسلامی حملوں کے بعد اور صدیوں سے اسلامی سلطنت کے بعد محفوظ موجود ہیں۔ کیا ساری اسلامی تاریخ میں ایک بھی مثال پیش کرسکتے ہو جس میں کسی خدا کے گھر کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا ہو۔ خواہ وہ کسی مذہب یا کسی قوم کا ہو جو سلوک موجودہ جنگ میں ریمز کے

مشہور و معروف گرجا یا لو دین کے گرجا کے ساتھ کیا گیا ہے؟ وجہ ظاہر ہے انسان کے بنائے ہوئے قانون کبھی عزت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے عہدنامے کئے جاتے ہیں مگر غرض صرف اس وقت کے مشکلات سے نکلنے کی ہوتی ہے۔ اور ان معاہدات کی زیادہ تر عزت ان کے توڑنے میں سمجھی گئی ہے نہ ان کے ایفا میں۔ بشرطیکہ وہ ذرا بھی تکلیف دہ ثابت ہوں۔ لیکن جب ایک حکم مذہبی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یا کسی بانی مذہب کی طرف سے آتا ہے۔ تو اس کے توڑنے میں عام طور پر نشانہ ملامت بننے کا خوف ہوتا ہے۔ یہ محض کسی لفظ کی پاسداری نہیں ہوتی جس میں عزت کا خیال ہو۔ بلکہ مذہبی قانون کا توڑنا ایک گناہ بن جاتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے رازوں سے آگاہ لوگ دونوں کے فرق کو خوب سمجھتے ہیں"۔ طارق ہسپانیہ کے پہلے حملہ آور نے یہ حکم دیا تھا کسی قسم کی زیادتی امن پسند رعایا پر جو ہتھیار بند نہیں۔ نہ کی جائے۔ اور کہ صرف انہی لوگوں پر حملہ کیا جائے جو ہتھیار لئے ہوئے ہوں۔ اور کہ مال غنیمت صرف میدان جنگ یا ان شہروں کی حدود کے اندر لیا جا سکتا ہے جو حملہ سے فتح کئے جائیں"۔ آج کل کی تہذیب میں جو تنزل کی حالت واقع ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے آقا کی ہدایات پر میدان جنگ میں عمل پیرا ہوتے ہیں +

اسلامی قوانین جنگ کا ایڈریانوپل میں ایک نمونہ

مشہور بلقان جنگ میں بلغاروی اور نہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جب محصورین کو قلت خوراک کی تکلیف محسوس ہوئی جنگی قانون کے ماتحت شہر کا ہر ایک باشندہ مجبور تھا کہ جس قدر اس کے پاس زاید خوراک ہے وہ دوسروں کے فائدہ کے لئے دیدے یہ مسلم اور غیر مسلم سب پر یہ قانون یکساں حاوی تھا جب یہ خبر شیخ الاسلام کو پہنچی تو اس نے شکری پاشا محافظ اور نہ کو تنبیہ کی کہ اس حکم کو غیر مسلم رعایا کے حق میں منسوخ کر دے کیونکہ ان قوانین جنگ کی رو سے جو ایک جنگ کرنے والے نبی نے تجویز کئے تھے ایسا فعل ناجائز ہے یہ حکم گو قلعہ گیر فوج ایڈریانوپل کے لئے اور اسلامی آبادی شہر کے لئے بہت ہی تکلیف دہ تھا مگر اس کی تعمیل لفظاً بلفظاً ہوئی کیونکہ یہ ایک عام انسان کا تجویز کیا ہوا حکم نہیں تھا بلکہ ایک مذہبی حکم تھا *

حضرت مسیح کے توقعات جنگ کے متعلق

حضرت مسیح بھی جنگ کے پیش آنے کی ضروریات سے بے خبر نہ تھے خواہ کوئی جنگ کو انسانیت کے لئے ایک دائمی لعنت قرار دے یا ایک واقعی انسانی ضرورت سمجھے۔ ان لفظوں پر غور کرو "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں" (متی ۱۰-۳۴) یہ لفظ ایک پیشگوئی کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ گویا ان میں یہ بتایا گیا کہ

"جنگیں تو میرے پیرووں کو بھی پیش آئیں گی۔ اور فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ وہ کام جو حضرت مسیح نے خود نہ کیا آپ کے پیرووں کو کرنا پڑا۔ اور ان جنگوں سے اس لئے کہ حضرت مسیح کی زندگی میں قوانین جنگ پر کوئی ہدایت نہیں تھی بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں لوگوں کو اٹھانی پڑیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح نے کسی رنگ میں یہ بھی کہا تھا کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو اور جو تم سے نفرت کرتے ہیں تم ان سے پیار کرو۔ کلیسیا کی ساری ذہانت ان دو مذکورہ بالا فقروں کی تطبیق دینے میں خرچ ہو کر بھی آخر نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ اگر حضرت مسیح کو خود وہ موقع میسر آتا کہ آپ بھی جنگ میں شامل ہوتے تو ان کے اصلی منشاء کا ان کے عملدرآمد سے پتہ لگ جاتا۔ مگر گو مسیح کے کلام میں جنگوں کے پیش آنے کی طرف اشارہ تو پایا جاتا ہے۔ مگر فی الواقع آپ کو وہ موقع میسر نہیں آیا۔ اگر جنگ نسل انسانی کی وراثت ہے۔ اور کبھی نہ کبھی انسانوں کو یہ ضرورت پیش آتی ہی رہے گی۔ تو ایک معلم جو خدا کی طرف سے نسل انسانی کی ہدایت کے لئے آتا ہے کامل ہادی نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کو خود جنگ نہ کرنی پڑے۔ اور اس طرح پر اس نے اپنے نمونہ سے ہمیں بتا دیا ہو کہ جنگ کن مواقع پر ضروری ہو جاتی ہے۔ اور اس کی کیا اغراض ہوتی ہیں۔ اور اس کی کیا حدود ہونی چاہئیں اور کس قسم کے اخلاق حالت جنگ میں دکھانے چاہئیں جب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں نہ صرف ان تمام باتوں پر کھلی کھلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بلکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد میں ان پاک الفاظ کی کھلی ہوئی تفسیر بھی ہمیں معلوم ہو جاتی ہے۔

اذن للذین یقٰتلون بانہم   جن لوگوں کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے انہیں

ظلموا وان اللہ علی نصرھم
لقدیر الذین اخرجوا من
دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا
ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس
بعضھم ببعض لھدمت
صوامع وبیع وصلوات
ومساجد یذکر فیھا اسم
اللہ کثیرا الحج (ر-۱۳-)
وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین
یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ
لا یحب المعتدین واقتلوھم
حیث ثقفتموھم واخرجوھم
من حیث اخرجوکم والفتنۃ
اشد من القتل ولا تقتلوھم
عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم

(ان لوگوں کو بھی جنگ کرنے کی) اجازت دیجاتی ہے۔ اسلئے کہ ان پر ظلم کئے گئے ہیں اور کہ اللہ انکی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں سے باہر نکالے گئے (اور انکا کوئی قصور نہ تھا) سوائے اسکے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے نہ روکتا تو صومعے اور گرجے اور عبادتخانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے تباہ کردی جاتیں۔

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ زیادتی کرنیوالوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جہاں انکو پاؤ ان کو قتل کردو[1] اور جہاں سے انہوں نے تمکو نکالا ہے وہاں سے تم انہیں نکال دو اور فتنہ قتل سے بدتر ہے اور مسجد حرام کے قریب ان کے ساتھ جنگ نہ کرو یہانتک کہ وہ تمہارے ساتھ اسکے اندر

[1] یہ ہدایت جسپر بڑے بڑے اعتراضات کی عمارت بنائی گئی ہے۔ نہایت صاف راہ بتاتی ہے جب ایک دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہوچکی تو جہاں وہ ملے اسے قتل کردینا کوئی غیر معمولی بات نہیں پہلی آیت کے ساتھ ملاکر پڑھا جائے تو عبارت یوں ہوگی۔ جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں انکے ساتھ جنگ کرو اور جہاں انکو پاؤ قتل کرو۔ کیا آج دنیا کی مہذب قومیں جب جنگ کے اندر دشمن کے سامنے آتی ہیں تو اسے قتل نہیں کرتیں (انگریزی ترجمہ قرآن مولوی محمد علی

فیہ فان قتلوکم فاقتلوھم کذلک جزاء الکفرین فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم ۵ وقتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظلمین ۵ (البقرۃ۔ رکوع ۸)

جنگ کریں، سو اگر وہ جنگ کریں تو انکو قتل کرو۔ یہی کافروں کی سزا ہے لیکن اگر وہ رک جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور انکے ساتھ جنگ کرتے رہو یہانتک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کیلئے ہی ہو پس اگر وہ رک جائیں تو سختی سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں +

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ کی اجازت محض حفاظت کے لئے دی گئی۔ تاکہ جو ایذائیں مذہب کی وجہ سے پہنچائی جاتی تھیں ان کا خاتمہ کیا جائے اور مذہبی آزادی کا دور دورہ قایم کیا جائے۔ دشمن نے پہلے تلوار ہاتھ میں لی تا اسلام کا قلع قمع کردے اور اس کے دفعیہ کے لئے مسلمانوں کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس لئے پہلی حدبندی یہ ہے کہ مسلمان صرف ان لوگوں کے ساتھ جنگ کریں جو ان کے ساتھ جنگ کررہے ہیں۔ اس حدبندی سے بچے عورتیں اور بوڑھے بھی جنگ کے دائرہ سے باہر نکل گئے جنہوں نے مخالفت کے لئے ہتھیار نہ اُٹھائے ہوں۔ اسی قسم کا استثناء راہبوں۔ تارک الدنیا لوگوں اور رسول آبادی کے لئے بھی کیا گیا" (انگریزی ترجمۃ القرآن) جب کبھی دشمن کے خلاف مہم بھیجی جاتی تو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ "اللہ کے نام اور اس کی مدد کے ساتھ اور اس کے رسول کے دین کے لئے چلو۔ کسی بوڑھے آدمی کو جو جنگ کرنے کے قابل نہیں نہ مارو۔ نہ کسی بچہ یا عورت کو" اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جرنیل خالد کو فرمایا

"کسی عورت کو نہ مارو۔ نہ کسی مزدور کو مارو" دوسری حد بندی یہ ہے کہ مسلمان ضرورت جنگ کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ اشاعت دین کے لئے جنگ کرنے کا ذکر قرآن کریم میں ایک دفعہ بھی نہیں اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ فی سبیل اللہ جنگ اسی دفاعی جنگ کو کہا ہے۔ مذہبی آزادی قایم کرنے کے لئے گو کسی مذہب کی خاطر ہو گرجے ہوں یا دوسرے عبادت خانے۔ مسلمان جنگ کر سکتے ہیں۔ وہ عذر جنپر مہذب ممالک میں جنگیں کی جاتی ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو حق تھا کہ ایسے عذرات پر بہت سے پہلے جنگ کر لیتے۔ مگر مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی جبتک کہ اسلام کی ہستی معرض خطر میں نہیں آئی +

اگر جنگ ایسی ہی قدیم ہے جیسے خود انسان اور اگر مذہبی اور عام تاریخ جنگ کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کو وہ صحیح قوانین بھی بتائے جائیں جو ہمیں جنگوں میں اختیار کرنے چاہئیں۔ اس لئے ہمیں اپنا ہادی ایک ایسا نبی چاہیے جس نے خود فی الواقع جنگ کئے ہوں اور جس نے میدان جنگ میں اپنی موجودگی سے۔ جنگی مہمات میں اپنے عملدرآمد اور اقوال سے جنگی ضروریات کے ماتحت اپنے ارشادات اور نمونہ سے ہمارے لئے۔ ایسی ہدایت چھوڑی ہوں جن کی ہم پیروی کریں چنانچہ ایسے نبی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم تھے +

آنحضرت صلعم ایک سپاہی کی حیثیت میں

جب ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو عرب کے ملک میں بالخصوص اور وہ زمانہ ایسا تھا جب شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھائے جاتے تھے۔ عرب میں تو شجاعت انسانی ضروریات کا ایسا جزو لاینفک بن گئی تھی کہ عورتیں بھی میدان جنگ میں برابر جاتی تھیں۔ اس زمانہ میں اس قسم کی بہادری کے دکھانے کے موقعے بہت کم رہ گئے ہیں جب فریقین حالت جنگ میں کھلے طور پر ایک دوسرے کے سامنے کم آتے ہیں اور غالباً اس قسم کے نادر بہادری کے جوہر دکھانے کی آج ضرورت بھی کم ہے۔ جب میلوں کے فاصلے سے توپیں فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتی ہیں۔ مگر اس زمانہ کی جنگیں اس قسم کی نہ تھیں۔ بلکہ ان میں فیصلہ کن جزو ذاتی بہادری اور شجاعت کا جوہر ہی ہوتا رہا۔ اس لئے ایسی شجاعت کو ایک قانون کے ماتحت لانا اور اس جوہر کا صیقل کرنا جو قدرت نے فطرت انسانی میں ودیعت کیا ہے نہ اسے برباد کرنا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک غرض تھی۔

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم خود اس جوہر مردانگی میں اپنے زمانہ کے اعلےٰ سے اعلےٰ معیار پر پورے اُترتے رہے۔ باوجودیکہ آپ نے ابتدائی عمر میں کبھی ان اشغال میں زیادہ حصہ نہیں لیا۔ آپ کے اندر ایسی مردانگی کی روح تھی کہ کسی قسم کا خوف آپ کے دل پر کبھی طاری نہ ہوتا تھا۔ گو خطرناک سے خطرناک مقابلہ درپیش ہوا۔ آپ عین قتال کے میدان میں دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوتے تھے مقابلہ کے وقت نمایاں جگہ پر کھڑے ہوتے تھے۔ حنین کے میدان میں ایسا موقعہ آگیا کہ

مسلمانوں کا لشکر دشمنوں کی خطرناک تیراندازی کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اور قریب تھا کہ ساری فوج تتر بتر ہو کر مسلمانوں کو شکست فاش ہوتی۔ اگر اس وقت خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مردانگی کا وہ جوہر نہ دکھایا ہوتا جس نے میدان جنگ کے سارے نقشہ کو ہی بدل دیا۔ مسلمان گریز اختیار کرچکے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکیلے دشمن کی طرف اپنی سواری کا منہ کرکے اور اس کے اوپر حملہ آور ہوتے ہوئے زور سے پکارا۔ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔ اس آواز پر مسلمان آپ کے گرد جمع ہوتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہوتے اور دشمن نے شکست کھائی۔

کیا ایک خود غرض انسان اس قسم کے جوہر دکھا سکتا ہے۔ اس قسم کے اعلےٰ اخلاق کو دیکھ کر نہ صرف عرب کے وہ بہادر جن کی عمریں لڑائیاں کرتے گزر چکی تھیں متحیر رہ جاتے تھے۔ بلکہ ایسے ایسے اخلاقی معجزات کے ظہور سے ہی انکے دلوں کو فتح کرلیا۔ ایک بہادر سپاہی۔ ایک نڈر پہلوان۔ اور پھر ایسا حلیم۔ ایسا بردبار۔ ایسا محبت کرنے والا۔ معاملات میں ایسا نرم۔ نہ صرف اپنے اہل وعیال کے اندر ہی بلکہ ہر ایک انسان کے ساتھ جس کا معاملہ آپ سے پڑا اس کی زندگی کے جس پہلو کا چاہو مطالعہ کرو۔ ہر رنگ میں محبت اور نرمی کا اعلےٰ سے اعلیٰ ظہور پاؤ گے۔

خواجہ کمال الدین

آنحضرت صلعم کا رفق

از

ایس. ایچ لیڈر مصنف ڈیزرٹ گیٹوے۔ و بلڈ مسٹر آف ایجپٹ

حضرت محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق میں نرمی کے پہلو پر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بالخصوص اسلئے۔ کہ آپ کے اخلاق کا یہ پہلو مغرب میں بالکل نظرانداز کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی شک ہے کہ آیا اس کا واقعی علم کبھی اہل مغرب کو ہوا بھی ہے۔ اسلام کی تلوار کا بہت ذکر سنا جاتا ہے۔ اور اس عظیم الشان انسان کی شجاعت کے پہلو پر ایک بڑے مشہور مورخ گبن نے اچھا لکھا ہے۔ اور کارلائل نے بھی پرزور الفاظ میں اس کا اظہار کیا ہے۔ ان مصنفین نے حق کی بڑی بھاری خدمت ادا کی ہے کہ انہوں نے گندہ وہائی کے اس پرزور سیل کو روک دیا جو اس وقت تک رکا نہیں تھا۔ اور جس کے ذریعہ سے عیسائی مصنفین اس طاقت کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے جس سے نفرت کرنا ان کو ابتدا سے سکھایا گیا تھا۔ ہمارے اس نئے زمانہ میں معقول پسند مغربی مصنفین کے دلوں میں ان باتوں پر سخت شبہات پیدا ہوئے ہیں کہ اسلام کے مذہبی جنون۔ اُن کی عبادات کے رسمی ہونے اور اُس کی تعلیم کی شہوانیت کے متعلق کس قدر دنیا کو دھوکا دیا گیا ہے گو کہ مجھے اندیشہ ہے کہ جہالت اور تعصب عامہ جو اب تک پھیلا ہوا ہے۔ بہت ہی کم اثر ہوا ہے ٭

مگر عیسائی مصنفین میں سے کسی نے کبھی اس قدر توقف کیا۔ کہ اس کثیر

ذخیرۂ شہادت پر غور کرے جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہت ہی نرم دل کے انسان۔ ان لوگوں پر بڑا رحم کرنے والے جو کمزور ہوں یا دکھ میں مبتلا ہوں۔ غریبوں کے ساتھ رؤف و رحیم انسان تھے اس قدر عظمت کے مقام پر ہونے کے باوجود بچے آپ سے ایسا پیار کرتے تھے کہ کسی قسم کا خوف آپ کی طرف سے اُن کے دلوں میں نہ ہوتا تھا۔ آپ کے اپنے نواسے حضرت حسن اور حسین۔ وہ شہید جن کی دنیا عزت کرتی ہے۔ آپ ایسے بے تکلف تھے۔ کہ آپ کے کندھوں پر چڑھ جاتے"۔ اور آپ کو وق کرتے تھے مگر آپ کبھی اُن کو ملامت نہیں کرتے تھے آپ اُن کو دل خوش کرنے" والی کہانیاں سناتے۔ کبھی آپ فرش پر لیٹے ہوئے ہوتے۔ اور بچے آپ کے اوپر چڑھ جاتے۔ کبھی آپ اُن کی کھیلوں میں اُن کے کھلونوں کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ آپ بازار میں نہایت محبت بھرے الفاظ اور حرکات سے بچوں کو ٹھہرا لیتے بڑوں کے ساتھ آپ کی گفتگو میں سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ مگر نوجوان بچوں کے ساتھ آپ اُن کے حالات کے مطابق ہنستے اور بولتے۔ ایک لوہار کی بیوی کے سپرد ایک بچہ تھا اور وہ حالت نزع میں تھا۔ آپ اُس کی خاطر اس لوہار کے گھر گئے۔ اور کئی گھنٹوں تک اس چھوٹے بیمار کی تیمارداری خود فرماتے رہے اور آپ کی گود میں ہی اُس نے جان دی۔

یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ یہی خلق رفق آپ کی خانگی زندگی میں ان امور کا محرک ہوا جن کی بنا پر مغربی مصنفین نے آپ کی پاک یاد کو سخت ظالمانہ ہتک آمیز الفاظ سے ملوث کرنا چاہا ہے اپنی بیاہی ہوئی زندگی کے سارے ابتدائی ایام میں آپ صرف ایک ہی بی بی خدیجہ کے ساتھ رہے جو آپ کی ایسی صادق اور

مخلص رفیق تھیں۔ کہ اُس سے بہتر رفیق انسان کو مل نہیں سکتا۔ اور دنیا کے کسی بڑے آدمی کو اس سے بہتر خوشی کی بیاہی ہوئی زندگی میسر نہیں آئی جب آپ کو روحانی طور پر بڑی بڑی کوفت پہنچتی۔ تو خدیجہ ہمیشہ ان الفاظ سے آپ کی غمگساری کرتیں۔ کہ خدا آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ نیک ہیں۔ جب آپ بوڑھے ہو گئے تو محض اس رقت قلب کی وجہ سے اور اس لینیت کے باعث جو آپ کو خاص طور پر عطا ہوئی تھی۔ آپ کو کئی بیبیوں کو محض اُن کی حالت پر رحم کرنے کیلئے اپنے ازواج میں داخل کرنا پڑا۔ مجھے مشرقی ممالک میں آپکے ایسے پیرووں سے ذاتی تعارف حاصل ہے جنہوں نے آپ کی اس مثال کی پیروی میں کسی غریب عورت سے محض اُس پر رحم کرنے کے لئے نکاح کر لیا ہے۔ اور قطعاً کوئی خیال اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا اُن کے دل میں نہ تھا +

پس آنحضرت صلعم پر ان نکاحوں کی وجہ سے الزام دینا ایسا ہی منصفانہ فعل ہے۔ جیسے ہمارے اپنے سموئل جانسن کے چال چلن پر اس وجہ سے الزام دینا کہ اُس نے اپنے ناگر بظاہر کرخت مگر فی الواقع درد بھرے دل سے بہت سی غریب عورتوں کو اپنی پناہ میں لے رکھا تھا +

مشرق اسلامی کے سب لوگ اندھوں پر خصوصیت سے رحم کرتے ہیں اُن سے پوچھو تو وہ فوراً تمہیں یہ بتائیں گے۔ کہ آنحضرتؐ کی زندگی کے مطالعہ سے پہلا سبق جو حاصل ہوتا ہے یہی ہے کہ آپ ان لوگوں پر جو بصارت سے محروم تھے بہت لطف فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک نابینا کے گفتگو میں کچھ دخل دینے پر آنحضرت نے ترش روئی کا اظہار کیا۔ تو بہت سالوں تک اس پر اظہار افسوس فرماتے رہے +

اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے آنحضرتؐ وسیع القلبی سے کام لیتے تھے۔ آپ کا ایک چھوٹا سا نوکر ایک دفعہ ایسا تھا جس سے تکلیف پہنچتی تھی۔ مگر آپ اس کی گوشمالی کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آپ کا ایک ملازم انسؓ کہتا ہے۔ کہ میں دس سال تک آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہا۔ اور آپؐ نے ایک مرتبہ بھی مجھے اُف تک نہیں کہا۔ آپؐ بیماروں کی عیادت کے لئے ضرور تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اور آپؐ نے اپنے نمونہ سے اپنے پیروؤں کو یہ نیک عادت ڈال دی۔ کہ جس جنازہ کو دیکھیں۔ اُس کی عزت کریں۔ اور اُس کے ساتھ بھی چلیں۔ اور ہو سکے تو اُس کے اُٹھانے میں مدد دیں۔ خواہ چند قدم ہی ہو تاکہ غمزدہ تعلق والوں کے ساتھ اظہار ہمدردی ہو۔ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک بہت چھوٹی سی جماعت ایک بچے کو دفن کرنے کے لئے جا رہی تھی جس کی نعش کو باپ نے اپنی گود میں لیا ہوا تھا کئی آدمیوں نے مختلف مقامات پر اُس شخص کو ٹھہرایا۔ اور چشم پر آب سے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تاکہ تھوڑی دور تک اس غمناک بوجھ کو اُٹھائیں۔ جب میں نے پوچھا تو مجھے انہوں نے یہی جواب دیا۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے۔ آپ کبھی مصافحہ کے وقت اپنا ہاتھ پہلے نہ چھڑاتے اور نہ پیٹھ پھیرتے جب تک کہ دوسرا نہ پھیرتا۔ اگر ایک غلام بھی آپ کو کھانے پر بلاتا تو آپ خوشی سے جاتے۔ بہت سے دیہات ہیں جو تمام مشرقی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تم مسجد کے دروازہ کے پاس ایک بنچ دیکھو گے جو دھوپ اور بارش سے محفوظ ہوتی ہے۔ یہاں غریب مسافر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے۔ کہ وہ حاجتمند ہیں اور جوں جوں لوگ مسجد سے آتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی کسی کو کوئی کسی کو کھانے پر اپنے ساتھ

لے جاتا ہے یا کچھ نقدی دیدیتے ہیں۔ تاکہ وہ کھانا کھالیں۔ اس نیک رسم کی بنیاد ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت غربا پر بہت رحم فرماتے تھے جب آپ کھانے پر جاتے تو کسی غریب کو بھی عموماً ساتھ لے جاتے ۔

جو کچھ میں نے اوپر لکھا ہے۔ وہ آنحضرت کے اخلاق کے ایک پہلو پر اور وہ بھی بہت قلیل روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے یہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کیوں وہ سب لوگ جو آنحضرتؐ سے گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ آپ کی عزت کرتے اور آپ سے محبت کرتے تھے۔ کسی دن جب صداقت کی محبت اس قدر صفائی سے چمک اٹھے گی۔ کہ ایک دراز زمانہ کے تعصب کی تاریکی کو دور کر دے تو مغربی مصنفین حضرت محمد (مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے مطالعہ کو اس نقطہ سے بہت آگے لیجائیں گے۔ جہاں پہنچکر اب اسے بند کر دیا جاتا ہے۔ اور آپ کو نہ صرف تاریخ میں ایک بڑا انسان سمجھیں گے۔ بلکہ نسل انسانی کی سنہری کتاب میں آپ کو وہ مرتبہ دیں گے جو واقعی آپ کا ہے ۔

آنحضرت صلعم ایک خاوند کی حیثیت میں

از قدوائی

دنیا کی مذہبی تاریخ میں کوئی انسان ایسا نہیں جس نے عورت کے مقام کو بلند کرنے میں وہ کام کیا ہو۔ جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ آپ نے ان کو حقوق دیئے جب ان کے کوئی حقوق تسلیم نہ کئے جاتے تھے

آپ نے مردوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ عورتوں کی عزت کریں۔ اور یہ وہ تعلیم ہے جو انسان کو پہلے نہ دی گئی تھی۔ آپ نے عورت ذات کو گویا تقدس کے مقام تک پہنچا دیا۔ عورت ہمیشہ کمزور جنس رہی۔ غیر مہذب ممالک میں اور اس وقت کے مہذب ممالک میں بھی یعنی آج سے تیرہ سو سال پیشتر وہ بالکل بیکس تھی۔ اس کی زندگی بغیر ایک محافظ کے ناممکن تھی۔ خواہ وہ محافظ باپ ہو یا بھائی ہو یا خاوند ہو۔ سب اس سے بدسلوکی کرتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے سب سے بچایا۔ آپ نے اسے زندہ دفن کئے جانے سے بچایا۔ اور اس طرح باپ جو ظلم غریب لڑکیوں پر کرتے تھے اُن سے ہمیشہ کے لئے اُن کو نجات دی۔ آپ نے اُسے حقوق وراثت دلا کر بھائی کے ظلم سے بچایا۔ بی بی ہونے کی حیثیت میں جو خاوند اس کے حقوق پر دست تطاول دراز کر سکتا تھا۔ آپ نے اس سے بھی اُسے بچایا۔ اور اس کے حقوق کو محفوظ کر دیا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی بات کا وعظ نہیں کیا جس پر آپ نے عمل کر کے نہیں دکھایا۔ آپ ایک باپ کی حیثیت میں نمونہ تھے تو خاوند کی حیثیت میں بھی ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ آپ نے پیش کیا۔ آپ کی پہلی بی بی عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اور نکاح کے وقت آنحضرت کی عمر پچیس سال کی اور اُن کی عمر چالیس سال کی تھی۔ مشرق میں چالیس سال کی عورت کو بہت بوڑھی سمجھا جاتا ہے مگر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق اس پاک بی بی سے اس کی موت کے وقت تک اعلیٰ درجہ کی محبت کا تعلق رہا۔ اور شادی سے ستائیس سال بعد تک وہ زندہ رہیں۔ پروفیسر آرنلڈ نے اس محبت کا نہایت ہی عمدہ نقشہ کھینچا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ "یہ ایک نہایت ہی خوبصورت تصویر

ایک اعلیٰ سے اعلیٰ بیاہی ہوئی زندگی کی ہے۔ جو تاریخ ہمیں دکھا سکتی ہے"۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر مامور کیا گیا۔ اور وحی الٰہی کی پہلی آواز نے آپؐ کے قلب پر نزول فرمایا۔ تو آپؐ فوراً خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور ایک سچے وفادار خاوند کی طرح اُن سے یہ ذکر کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو آپ کو تمام دنیا سے بڑھ کر جانتی تھیں جن سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے بھی تو کوئی بات مخفی نہ رکھ سکتے تھے۔ اس وقت کیا ہی پاکیزہ جواب دیا ہے۔ اور آنحضرتؐ کے اخلاق کی کیسی پاک تصویر کھینچی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بڑی بشارت لائے ہیں۔ اُس کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہؓ کی جان ہے میں آپ کو آئندہ پیغمبر سمجھوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ ہمیشہ رشتہ داروں سے محبت کرنے والے ہمسایوں پر مہربان۔ غریبوں پر رحم کرنیوالے اجنبیوں کی مہمان نوازی کرنے والے اپنے قول کے سچے اور ہمیشہ حق کے حامی رہے ہیں۔ بے شک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس بات کے حقدار تھے۔ کہ ان کی بی بی یہ شہادت اُن کے حق میں دیتی۔ آپ کا تعلق ساری زندگی میں انکے ساتھ نہایت ہی اخلاص کا تھا۔ اور جب وہ فوت بھی ہوگئیں تب بھی آپ اُن کو بھولے نہیں۔ اُن کی یاد ہمیشہ آپ کے دل میں تازہ رہی۔ آپ ان لوگوں سے بھی محبت کرتے تھے۔ جن سے حضرت خدیجہؓ کو محبت تھی۔ یا جن کا اُن کے ساتھ کوئی تعلق۔ تھا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ آنحضرتؐ نے اسے دیکھ لیا اور غیر معمولی عزت کا سلوک اس سے کیا۔ جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ دریافت

کی ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ وہ خدیجہؓ کے پاس آیا کرتی تھی ✦

جب حضرت خدیجہؓ فوت ہو گئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مخلص اور وفادار رفیق تھے ۔ آپؐ سے درخواست کی کہ اُن کی چھوٹی بیٹی عائشہؓ سے آپ شادی کریں ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا ۔ مگر باوجود حضرت عائشہؓ کے جو نوجوان اور خوبصورت تھیں آپ کے پاس موجود ہونے کے آپؐ نے کبھی خدیجہؓ کو فراموش نہیں کیا ۔ بلکہ اُن کا ذکر محبت بھرے الفاظ میں کرتے رہتے ۔ ایک دن جب آپ اسی طرح محبت سے اُن کا ذکر کر رہے تھے ۔ تو حضرت عائشہؓ نے رشک کرتے ہوئے کہا ۔ کیا وہ بوڑھی نہ تھیں اور کیا خدا نے آپ کو ان کی جگہ ایک بہتر بی بی نہیں دی ؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں ۔ اُس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا ۔ وہ مجھ پر اُس وقت ایمان لائیں جب سب لوگ مجھ پر ہنسی کرتے تھے ۔ اُس نے میری اُس وقت مدد کی جب ساری دنیا میں مجھے دکھ دیا جاتا تھا ۔ حضرت خدیجہؓ چار کامل عورتوں کے اندر شامل کی گئی ہیں یعنی حضرت موسیٰؑ کی ہمشیرہ ۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت فاطمہؓ ✦

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے بھی بہت محبت کرتے تھے ۔ ان غموں اور تفکرات کو جو وحیٔ الٰہی کے بوجھ کے لوازمات میں سے تھے ۔ حضرت عائشہؓ سے گفتگو کر کے آپ ہلکا کرتے ۔ نہ صرف آپ اُن کو تفریح وغیرہ کے سامانوں میں روکتے ہی نہ تھے ۔ بلکہ اُن کی خاطر بعض وقت خود بھی ان میں حصہ لیتے تھے ایک دفعہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ مل کر دوڑے بھی تھے ۔ اور ایک دوسرے

موقعہ پر آپؐ نے اُن کو اُٹھا کر اونچا کر رکھا۔ تا کہ وہ ایک کھیل کو جو باہر حبشی کر رہے تھے دیکھ لیں +

آپؐ نے نہ صرف اپنی مثال سے دوسرے لوگوں کو سمجھایا کہ خاوند ہونے کی حیثیت میں اپنی بیبیوں سے کیسی معاشرت کرنی چاہیئے۔ بلکہ اس کے متعلق نصائح بھی فرماتے رہتے تھے۔ زیدؓ آپ کے ایک آزاد کردہ غلام تھے اور آپ اُن سے اور اُن کو آپ سے بہت محبت تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے قریش کے اعلیٰ خاندان میں اپنے نہایت قریبی رشتہ داروں میں یعنی اپنی پھوپی کی لڑکی سے اُن کا نکاح بھی کر دیا۔ حالانکہ ملک عرب کے اندر آزاد کردہ غلاموں کا مرتبہ بہت کم سمجھا جاتا تھا۔ جب زیدؓ نے اپنی بی بی کو بوجہ ناموافقت طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آپ اُسے بہت سمجھاتے رہے کہ وہ طلاق نہ دے۔ اور مصالحت کی کوشش کرتے رہے۔ اور آخر کار جب آپ کی یہ کوشش کارگر نہ ہوئی اور زیدؓ نے اُس بی بی کو طلاق دے دی۔ تو اُن کی دلجوئی کے لئے آپؐ نے خود اُن سے نکاح کر لیا۔ اور اُن کے ساتھ حسن معاشرت کر کے یہ بتا دیا۔ کہ وہ بی بی کس عزت کے قابل تھیں +

ذیل میں ہم بعض احادیث نبوی کا ترجمہ دیتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ خاوند سے بی بی کی کیسی عزت چاہتے تھے +

اپنی بی بی کو روپیہ دینا جب وہ حاجتمند ہو صدقہ سے بہتر ہے +

جو شخص اپنی بی بی اور بچوں کو چھوڑ دیتا ہے وہ ایک بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہے۔ جبتک کہ وہ واپس ہو کر اُن کی خبرگیری نہ کرے اُس کی نماز اور روزے

قبول نہیں ہوتے +

جو شخص اپنی بی بی کی تندخوئی کو برداشت کرتا ہے۔ اُسی قدر اجر کا مستحق ہوگا۔ جیسے ایوب اپنے صبر کی وجہ سے +

جب خاوند اور بی بی ملکر کھانا کھاتے ہیں تو اللہ اپنی برکات اُن پر بھیجتا ہے اور فرشتے اُن کے لئے دعا کرتے ہیں +

اپنی وفات کے وقت بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ فرمائے الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم یہاں ما ملکت ایمانکم سے مراد یہی ہے۔ کہ اپنی بیبیوں سے جو تمہاری ملک یمین میں ہیں نیک سلوک کرو +

آنحضرت صلعم کی صفت شکر گزاری

از
(مارمیڈیوک پکتھال)

ایک نہایت فاضل مستشرق انگریز نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا عمر بھر مطالعہ کرکے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی وہ محبت اور عظمت اُس کے دل میں قایم ہوگئی ہے۔ کہ وہ اب یقین کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کہ اُس کے خیالات اسلام کے متعلق بالکل بے رو و رعایت ہیں۔ کیونکہ اُس کے بانی کی اس قدر عظمت اُس کے دل میں ہے جو ان خیالات پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس فاضل کے سوائے دوسرے لوگوں کا بھی یہی تجربہ ہے۔ اور افسوس اس بات کا ہے

کہ اس قدر تھوڑے وہ لوگ ہیں جنھوں نے صاف دلی سے اس کا اقرار کیا ہے۔
کیونکہ یہی اقرار ہی اُن بہتانوں کو جو ایک تاریک زمانہ کی متعصبانہ کیفیات کا
نتیجہ ہیں۔ اور جن کو اب تک بہت لوگ مذہبی صداقتیں تسلیم کئے ہوئے ہیں
دور کر سکتے ہیں۔ یہ محبت اور یہ تعریف جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح
اور اقوال کے مطالعہ کا لازمی نتیجہ ہیں بشرطیکہ ایک تعصب سے پاک دل کو لے کر
انسان اُن پر غور کرے اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہو جاتے ہیں جب اس بات
کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ کہ اس انسان محمد صلعم کی زندگی کے پچھلے دن ایسے تھے
کہ اُن میں آپ کے ایک ایک فعل اور ایک ایک قول پر پبلک کی طرف سے
تنقید کی روشنی اپنی تیز شعاعوں کے ساتھ پڑ رہی تھی۔ وہ روشنی جو ضروری ہے
کہ اس انسان کے حالات پر پڑے جو بادشاہت کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔
یہاں آکر آپ میں اور دوسرے نبیوں میں ہم کو ایک فرق نظر آتا ہے۔ کیونکہ
اُن کی زندگیوں کے سامنے اُن کی عظمت ہی ایک کہر کا پردہ حائل کر دیتی
ہے۔ مگر محمد صلعم ایک صاف تاریخی انسان ہیں جن کے چال چلن اور اخلاق
کی باریک سے باریک تفصیلات خود اُن لوگوں نے ہمارے لئے مہیا کر دی
ہیں جو اس کے ہمعصر تھے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ جو آپ کی عزت کو
کم کرنا چاہتے ہیں اُن کو آپ کی زندگی کی شہادت کے اس انبار کثیر میں کس قدر
تھوڑی باتیں ملتی ہیں۔ اور درحقیقت ان باتوں کی کوئی وقعت نہیں مثلاً
یہ کہدینا کہ ایک دفعہ ایک لمحہ کے لئے آپ اپنے پاک مقصد میں مذبذب ہو گئے
تھے۔ اور کچھ بتوں کی تعریف کر دی تھی جو فوراً ہی آپ نے واپس لے لی۔ یا یہ

کہ آپ کہتے تھے فرشتہ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے (اور عیسائی متقدمین کے نزدیک چونکہ غیر عیسائی سے فرشتہ کلام نہیں کرسکتا۔ اس لئے آپ مفتری ہوئے) یا یہ کہ موجودہ سائنس کے بعض واقعات کا آپکو علم نہ تھا۔ اور آپ اپنے لوگوں اور اپنے زمانہ کی زبان بولتے تھے بس یہی کچھ مخالفین کا مایہ ناز سرمایہ ہے۔

اب اگر ان الزامات میں سے کسی الزام کو بفرض محال قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے کیا ثابت ہوگا۔ صرف یہی کہ پیغمبر صلعم ہم سب کی طرح بشر تھے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ وہ تو خود یہی کہتے ہیں انا بشر مثلکم۔ عیسائیوں کی یہ ایک پرانی اور عام غلطی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمان محمد صلعم کی عبادت کرتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ آپ کی طرف اس قسم کی خیالی الوہیت منسوب کرتے ہیں۔ جیسی کلیسیائے یسوع مسیح سے منسوب کر رکھی ہے۔ اور اس وجہ سے وہ دنیا کے سب سے زیادہ دیانتدار انسان کو مفتری کہکر الگ ہو جاتے ہیں۔ یقیناً وہ مفتری ہوتا اگر اس نے یہ کہا ہوتا۔ کہ میں خدا ہوں۔ مگر آپ نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ بلکہ یہ تو وہ غلطی تھی جس کی تردید آپ نے نہایت ہی پرزور الفاظ میں کی۔ اور اسے خدا تعالیٰ کی عظمت وجبروت کی ہتک قرار دیا اور انسانی دماغوں کی انسانی ایجاد بتایا۔ کہ کسی انسان کو خدا کہا جائے۔ وہ اپنے لئے کیا منصب تجویز کرتے ہیں انسانوں میں ایک انسان۔ خدا کا رسول اور اس کا بندہ۔ اول المومنین۔ نجات کا پیشرو اور امام۔ خود ان احکام پہ چلکر جو آپ پر نازل ہوتے۔ ایک نمونہ قائم کرنے والے۔ اور خدائے ذوالجلال کے سامنے ان کروڑوں انسانوں میں سے ایک جو عاجزی کے ساتھ اس کے جلال کے آگے گردن جھکاتے ہیں۔ اور ان

احکام کی جو خدائے تعالےٰ کی طرف سے آئیں فرمانبرداری کرتے ہیں
جب آپ کا بیٹا ابراہیم ۱۰ ماہ کا ہو کر فوت ہو گیا۔ تو اسی دن سورج کو کا
گرہن لگا وفی ذالک الیوم انکسفت الشمس فقال الناس انہا انکسفت
لموت ابراھیم قال صلعم ان الشمس والقمر اٰیتان من ایات اللّٰہ
تعالیٰ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیوتہٖ یعنی اُس دن سورج کو گرہن
لگا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج کو گرہن
لگا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سورج اور چاند اللہ تعالےٰ
کی آیتوں میں سے دو آیتیں ہیں ان کو کسی کی موت یا کسی کی زندگی کی وجہ سے
گرہن نہیں لگتا۔ کیا یہ ایک مفتری کے لفظ ہیں جو شخص جھوٹ بتاتا ہے اس کو
کون نہیں پہچان سکتا۔ آنحضرت صلعم کی زندگی کی تاریخ میں جھوٹوں والی ایک
بھی علامت نہیں پائی جاتی +

بعض مخالف نکتہ چین یہ کہدیتے ہیں۔ کہ جس قسم کے مکاشفات آپ دیکھتے
تھے۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے دماغ میں کونسی بیماری تھی۔ اب اس سے
کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ جو لوگ دماغی خلل کی وجہ سے خواب دیکھتے ہیں
اور اس حالت میں رہتے ہیں۔ اُن کا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ بالکل مجذوبانہ
حالت میں چلے جاتے ہیں یا مجنون ہو جاتے ہیں۔ لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی
اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری ایام میں ویسے ہی سمجھدار ویسے ہی عقلی کام کرنے
والے نظر آتے ہیں۔ جیسے اس وقت جب پہلے پہل یہ کام آپ کے سپرد کیا گیا۔
آپ کی تعلیم ماحصل آپ کے پیغام کا خلاصہ ایک ہی تھا۔ اور ایک ہی رہا آپ کی

زندگی کی سادگی آپ کی نیکی اور راستبازی ہمیشہ یکساں رہی۔ اور یہ اور بھی زیادہ قابل غور امر ہو جاتا ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ ایک طاقتور بادشاہ بن گئے تھے۔ اور آپ کی مرضی قانون کا حکم رکھتی تھی۔ اور آپ اگر چاہتے تو اپنی ہر ایک خواہش کو پورا کر سکتے تھے۔ مگر آخر تک آپ کی زندگی کا نقشہ ایک ہی نظر آتا ہے۔ ایک راستباز مسلم عادات میں سادہ۔ نماز میں باقاعدہ۔ امور سلطنت میں طاقتور ہاتھ کے ساتھ اور دور بینی سے کام کرنے والے انسانوں کے ساتھ۔ ذاتی تعلقات میں پرلے درجہ کے عفو سے کام کرنے والے اگر کسی کے دوست بنے ہیں تو وفادار۔ اگر کسی کے دشمن ہیں تو شریف دشمن۔ اور تمام باتوں میں جو آپ نے اختیار کیں آخر تک وفاداری سے نباہ کرنے والے۔ آپ کا ایک خادم انس رضی کہتا ہے کہ میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا۔ اور آپ نے مجھے اُف تک بھی نہیں کہا۔ آپ نے اس عورت کو بالکل معاف کر دیا جس نے ایک زہریلا کھانا آپ کے لئے تیار کیا تھا جس کا نتیجہ ہوا تھا۔ کہ آپ کو ایک تکلیف دہ بیماری سے گزرنا پڑا۔ آپ نے ہندہ جیسی تند خو عورت کو جو ابو سفیان کی بیوی تھی۔ اور جس نے اُحد کے میدان میں آپ کے چچا حمزہ کے کلیجہ کو چبا لیا تھا معاف کر دیا۔ آپ نے ان تمام مردوں اور عورتوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں۔ اور آپ کے ساتھ طرح طرح کی بدسلوکیاں کی تھیں۔ جب کبھی سزا دینے میں آپ نے سختی کی تو محض جمہوریت اسلام کی بہتری کے لئے نہ کبھی ذاتی رنجش و کدورت سے محمد صلعم نیکیوں سے پر تھے۔ مگر میرے دل پر آپ کی جس خوبی نے سب سے زیادہ اثر کیا

گرویدہ مجھے بنا دیا ہے۔ وہ آپ کی شکر گزاری کی صفت تھی جو بڑے آدمیوں میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے +

اپنی جوانی کے ایام میں جیسا کہ ہر ایک شخص کو معلوم ہے آپ کی مالی حالت کوئی بہت اچھی نہ تھی۔ یہانتک کہ آپ نے خدیجہؓ سے نکاح کیا۔ جو ایک امیر بیوہ عورت اور عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ ستائیس سال تک یعنی جبتک یہ بی بی فوت نہیں ہوئیں وہ اکیلی ہی آپ کی زوجہ اور رفیق رہیں +

"کان یحبہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حبًّا شدیدا وکان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سافر لتجارتہا مع عبدھا میسرۃ الی مدینۃ بصری قبل ان یدخل بہا وانفعہ مالہا بسبیل اللہ بعد ان تزوجہا ولم یذل یذکرہا بعد وفاتہا بخیر حتی اخذت العائشۃ الغیرۃ فقالت یا رسول اللہ ھل ھی الا عجوزۃ فعوضک اللہ خیرا منہا۔ فقال لا واللہ ما عوضنی اللہ خیرا منہا آمنت بی والناس کذبونی۔ وبذلت مالہا دونی والناس منعونی فانہا کانت کریمۃ قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا انی لا اذکرھا الا بخیر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے یعنی خدیجہؓ سے سخت محبت کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے غلام میسرہ کے ساتھ اُن کی تجارت کے لئے شہر بصری کی طرف سفر بھی کیا تھا قبل اس کے کہ آپ انہیں نکاح میں لائیں۔ بعد میں جب آپ نے اُن کو اپنی زوجیت میں لے لیا تو اُن کے مال نے آپ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نفع دیا۔ اور آپ اُس کی وفات کے بعد ہمیشہ اس کا ذکر نیکی کے ساتھ کرتے رہے۔ یہانتک کہ عائشہؓ کو غیرت

آئی۔ اور اُنھوں نے کہا یا رسول اللہ وہ کیا تھیں ایک بوڑھی عورت تھیں۔ اللہ نے آپ کو ان سے بہتر بی بی دی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہرگز نہیں ان سے بہتر اللہ نے مجھ کو نہیں دی۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے۔ اور اس نے اپنا مال میرے لئے خرچ کیا۔ جب لوگ مجھے روکتے تھے۔ وہ بڑی کریم تھیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں بھی اُن کا ذکر سوائے نیکی کے نہیں کروں گی ✦

روی ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اتی جبریل النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ھذہ خدیجہ قد اتتک باناء فیہ ادام طعم وشراب فاذا ھی اتتک فاقرء علیھا السلام من ربھا ومنی وبشرھا ببیتا فی الجنۃ من قصبۃ لا صخب ولا نصب ✦

یعنی ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جبرائیل حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ یہ خدیجہ ہیں جنہوں نے آپ کو کھانے اور پانی کا ایک برتن دیا۔ پس جو کچھ انہوں نے آپ کو دیا اس کے عوض میں ان کو یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے جنت میں چاندی کا گھر ہے جہاں نہ تکلیف ہے نہ تکان ✦

کیا ان روایات میں محبت اور شکر گزاری کی روح کام کرتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ وہ سب لوگ ان کو پڑھیں۔ جو اب تک اس غلط خیال میں مبتلا ہیں کہ پیغمبر اسلام نے عورت کو ذلیل کیا اور اُس کی تحقیر کی۔ یا عورتوں میں وہ روح نہ سمجھتے تھے۔ آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ رض کی شادی

کی صبح کو فرمایا ۔ کہ فاطمہؓ کے دائیں اور بائیں فرشتوں کے گروہ ہیں ۔ یہ کیا خوبصورت نقشہ ہے ۔ کیا وہ شخص جو عورت میں روح نہ سمجھتا ہو ایسا کہہ سکتا ہے ۔ لیکن اس کا تعلق میرے مضمون سے نہیں ۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی شکرگزاری کا ایک اور خوبصورت اظہار ہے جسے میں نے کبھی بغیر کپکپی آ جانے کے نہیں پڑھا ۔ اسفار یعنی مدینہ کے مسلمانوں نے مکہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پر بڑی خوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا ۔ اور نہ صرف آپ کو یہاں پناہ ہی ملی ۔ بلکہ بادشاہت بھی ملی ۔ اور اُن لوگوں نے مہاجرین کو بھی اپنے گھروں میں بھائیوں کی طرح رکھا ۔ اب مکہ میں صرف بت پرست لوگ رہ گئے ۔ جنہوں نے کئی سال تک مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف خطرناک جنگ جاری رکھا آخر کار یہ لوگ مغلوب ہوئے ۔ اور خود مکہ بھی مفتوح ہوا ۔ اور اسلام کے بعض پرانے دشمنوں نے اس وقت اسلام قبول کیا ۔ مکہ کی فتح کے تھوڑا عرصہ بعد ایک موقعہ پر انصار کے بعض نوجوانوں کو خیال گزرا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ والوں سے زیادہ رعایت کرتے ہیں اور وہ کچھ شکایت کے لفظ منہ پر لائے جب نبی کریم صلعم نے اُن کی شکایت کو سنا تو آپ نے انصار کو اکٹھا کر کے ان الفاظ میں مخاطب کیا ۔

اے انصار میں نے وہ باتیں سنی ہیں جو تم میں سے بعض نے ایک دوسرے سے کی ہیں ۔ جب میں تمہارے درمیان آیا تو تم لوگ تاریکی میں پھر رہے تھے ۔ اور خدا نے تمہیں ہدایت دی ۔ تم مصیبتوں میں تھے ۔ اس نے تم کو خوشی عطا فرمائی ۔ تم میں باہم عداوت تھی ۔ اور خدا نے تمہارے دلوں میں

برادرانہ محبت اور امن ڈال دیا۔ کیا یہ درست نہیں ؟ ۔

انصار نے شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے ان باتوں کا اعتراف کیا۔ اور عرض کیا۔ جو آپ فرماتے ہیں یہ سب درست ہے۔ رحم اور فیاضی خدا اور اس کے رسول کے لئے ہے ۔

یہ الفاظ سن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوراً بولے ۔

نہیں واللہ تم یہ جواب دے سکتے تھے۔ اور ایسا جواب دینے میں حق پر ہوتے۔ کیونکہ میں خود بھی اس کی صداقت پر شہادت دیتا ہوں۔ کہ آپ ہم میں اس حال میں آئے۔ جب آپ کی قوم نے آپ کو قبول نہ کیا اور ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ بھاگ کر بے یار و مددگار ہمارے پاس آئے اور ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ کو کوئی تسلی دینے والا نہ تھا۔ اور ہم نے آپ کو تسلی دی۔ اے انصار اس دنیا کی چیزوں کے لئے اپنے دلوں کو کیوں دکھ میں ڈالتے ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو۔ کہ لوگ بکرے اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں۔ اور تم مجھے اپنے درمیان میں لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ اگر سارے انسان ایک راہ اختیار کریں۔ اور انصار ایک راہ تو میں انصار کے ساتھ راہ اختیار کروں گا۔ خدا اُن پر اپنی نعمتیں بھیجے۔ اور ان پر اور اُن کے بچوں کے بچوں پر برکات بھیجے ۔

یہ مدینہ کا شاہی پروانہ ہے۔ اور اسی نے مدینہ کو تمام شہروں سے بڑھکر مسلمانوں کے دلوں میں محبوب کر دیا۔ کس طرح لوگ اس شخص پر قربان نہ ہوتے جس کے اندر ایسا دل تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصلح تمدن کی حیثیت میں

از

یحییٰ النصر پارکنس

ایک عام یورپ کا رہنے والا جب اس مضمون کا عنوان پڑھے گا تو متعجب ہوگا۔ اور شاید اندر ہی اندر ہنس بھی دے گا۔ کیونکہ اس کے خیال میں انسان کامل محمد صلعم اور مدنی اصلاح میں کوئی تعلق نہیں۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ وہ مدنی بلکہ سوشلسٹ اصلاحات جن کی تعلیم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دی۔ اور جن کو آپ نے اپنے قوانین میں داخل کیا۔ وہ اسلام کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہیں۔ اگر ایک طرف دنیا میں پھیل جانے کا شوق جو اس نسل کو بطور ورثہ ملا تھا مسلمانوں کو مغرب میں پرینیز کے سلسلہ تک لے گیا۔ اور مشرق میں جیحون اور سندھ تک۔ اور ان کا قدم جنگی کارناموں اور فتح کے جوش میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ تو دوسری طرف اسلامی قوانین کی سوشلسٹ روح اور طاقت ہی وہ چیز تھی جس نے اس مشرقی تہذیب کے عظیم الشان قصر کو بنایا اور قایم رکھا۔ اور اسے سب موجودہ اور پہلی گزری ہوئی سلطنتوں پر فوقیت دی۔ یہانتک کہ غرناطہ مغرب کا مرکزی حکمران شہر بن گیا۔ بغداد مشرق کا فخر دمشق بیابان میں ایک چمکتا ہوا موتی اور کارڈووا دنیا کا سب سے بڑا شوکت کا مقام بن گیا۔ کسی قوم کو اٹھانے کے لئے اس کو ...... ذہنی پہلو سے بلند مقام پر لانے کے لئے تدبیر اور سیاست میں اس کا قدم آگے بڑھانے کیلئے ان کو سائنس اور فنون اور علوم کے سچے شیدا بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے ان کی اخلاقی اصلاح

کی جائے ۔ اور قبل اس کے کہ دوسرے قسم کے خیالات کو تحریک دی جائے اخلاق کے صحیح قدر و قیمت سے اُن کو آگاہ کرنا ضروری ہے ۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلے مدنی اصلاحات اخلاقی اصلاحات نفس درحقیقت آپ کی تمام تعلیم بالخصوص اخلاقی تعلیم ہے جو اصول اخلاق اور اصول روحانیت دونوں کی رو سے نہایت مضبوط ہے ۔ اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر تمام قانون کی عمارت بنائی جا سکتی ہے ۔

ملک یا قوم افراد کا ایک مجموعہ ہے ۔ اور ملک یا قوم کو ترقی کے اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچانے کے لئے پہلے افراد کو اس بلند مقام پر پہنچانا ضروری ہے روحانی ترقی تمام مادی ترقیات کی جڑ ہے ۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر اثر کرتی اور ایک دوسرے کا اثر قبول کرتی ہیں بعض وقت ایک کا قدم آگے ہوتا ہے بعض وقت دوسرے کا ۔ مگر روحانی ترقی ۔ ملک اور قوم کی ساری کل کا چلانے والا پرزہ ہے ۔ اور ترقی اور تہذیب کا حقیقی معیار یہی ہے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اخوت کے بلند مقصد کو انسانوں کا حقیقی مطمح نظر قرار دیا جو ایک مسلم کو دوسرے مسلم اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے وابستہ کرے ۔ یہ کہا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اوروں نے بھی اخوت اسلامی کا مقصد اپنے شاگردوں کے سامنے رکھا ۔ ہاں یہی فرق ہے ۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا دل بہت وسیع تھا ۔ یہاں صرف شاگردوں تک نظر نہیں ۔ بلکہ مسلم کے علاوہ ساری نسل انسانی کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے ۔ ایک خدا اور ایک نسل انسانی وہ خالق یہ سب اس کی ایک جیسی مخلوق ۔ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا و النصٰریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم

عند ربہم ولاخوف علیہم ولاھم یحزنون +

آپ کا مقصد نسل انسانی کی اخوت کو قایم کرنا تھا جس میں ایک انسان دوسرے انسان سے اور ایک کل قوم دوسری قوم سے سلسلۂ اخوت میں منسلک ہو۔ آپ کی تعلیم کا یہ نبیادی اصول۔ کہ ہر ایک شخص کو اپنے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائیگا پہلی تمام تعلیموں پر یقیناً ایک بڑی ترقی تھی جن میں یہ تسلیم کیا گیا تھا۔ کہ دیوتاؤں کو قربانیوں کے ذریعہ سے راضی کیا جا سکتا ہے۔ یا صرف اس بات پر ایمان لاکر ہی انسان کی نجات ہوجاتی ہے۔ کہ کسی خدا یا انسان یا حیوان کی قربانی میں ایسی تاثیر ہے۔ انسان کی نجات اسلام کی تعلیم میں۔ انسان کی اپنی کوشش۔ اُس کے اعمال اور اُس کے خیالات سے قرار دی گئی۔ ان لیس للانسان الا ما سعٰی +

اسلام کی وسعت اور اُس کا دوسرے مذاہب سے نیک سلوک۔

تاریخ مذہب میں بالکل نئے امور تھے۔ اگر ان باتوں کا کچھ نشان پایا جاتا ہے تو شاید بدھ کے مذہب میں پس اسلام نے تمام لوگوں کو کانشنس کی آزادی کی خوشخبری سنائی اور لا اکراہ فی الدین سے یعنی دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیے بنسل انسانی کے سامنے ایک بالکل نیا نقشہ رکھ دیا ما علینا الا البلاغ کے چھوٹے سے فقرہ نے جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ تمہارا کام صرف حق بات کا لوگوں کو پہنچا دینا ہے۔ دوسروں کی رائے کی برداشت کا مادہ پیدا کر دیا۔ اور ہر شخص کو اپنے میلان یا معتقدات کے مطابق خدا کی پرستش کی آزادی دی گئی۔ جہانتک مسلم کا سوال تھا۔ اس اصول کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا گیا کہ افراد کے لئے معیار اخلاقی کا پیمانہ اور ہے اور ملکوں یا قوموں

کے لئے کوئی اور۔ قوم کے اعمال پر بھی وہی اخلاق کا اعلےٰ معیار حاکم ٹھہرایا گیا جو افراد کے اعمال پر ٹھہرایا گیا تھا۔ یہ بتا دیا گیا کہ کوئی ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس میں زوال شروع ہو جائے۔ جب تک کہ انصاف کے اعلےٰ سے اعلےٰ معیار پر قایم نہ ہو جائے۔ اور مرتبہ انصاف سے کوئی خیالات قومی وغیرہ دوسری طرف لے جانے والے نہ ہوں یہ فخر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہی دنیا میں رہے گا۔ کہ آپ نے ایک ایسا نظم قایم کیا جس کے ذریعہ سے نا انصافی ظاہر ہو سکتی تھی۔ خواہ اُس کے کرنے والے امیر ہوں یا غریب۔ اعلےٰ طبقہ کے لوگ ہوں یا ادنےٰ طبقہ کے +

عورت کی حیثیت کو اس اعلیٰ مقام پر پہنچایا گیا۔ جہاں وہ کبھی پہلے نہ پہنچی تھی نہ مشرق میں نہ مغرب میں۔ اس کے حقوق کی حفاظت بذریعہ قانون کی گئی۔ اور اُس کے خاوند کو اُس کی محنت کے ثمرات یا اُس کی جائداد پر کسی قسم کا اختیار نہ رہا۔ بلکہ بحیثیت بی بی ہونے کے اُس کو کچھ قانونی حقوق خاوند پر حاصل ہو گئے۔ جنہیں وہ رد نہ کر سکتا تھا۔ نہ کوئی شخص عورت سے ان حقوق کو چھین سکتا تھا غلامی اگر یک قلم موقوف نہیں کی گئی تو غلام کا مرتبہ تمدن میں بالکل تبدیل کر دیا گیا۔ اور عملی طور پر وہ خاندان میں سے ایک ہو گیا۔ جو قوانین غلامی کے متعلق نافذ کئے گئے۔ وہ ایسے تھے۔ کہ اگر مسلمان اُن کے صحیح مفہوم کے مطابق اُن پر عامل ہوتے۔ تو غلامی اسلامی سرزمینوں میں مدت کی گئی گزری ہوتی۔ میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ایک مسلم صرف اس صورت میں کسی شخص کو غلام بنا سکتا تھا۔ جب وہ جنگ میں قید ہو کر آئے۔ اور اس صورت میں بھی اگر وہ جزیہ کی رقم

اداکر سکتا ہو تو اُسے غلامی میں رکھنے کا اختیار نہیں ۔ ایسا ہی اگر وہ قوم جس میں سے ایسا شخص ہے تاوان دے سکتی ہے ۔ اور دینے پر راضی ہے ۔ تب بھی اُسے غلامی میں رکھنے کا اختیار نہیں ۔ ایک اور بڑی اعلیٰ درجہ کی تمدنی اصلاح ہر قسم کے جوئے کی ممانعت تھی ۔ جو آج کل عیسائی ممالک کے لئے ایک مصیبت ثابت ہو رہا ہے ۔ ایسا ہی مسکرات یعنی شراب کی ممانعت جو مغرب میں ایک نہایت ہی ذلیل کر دینے والی اور تباہ کر دینے والی عادت ہے ۔ یہ دونوں برائیاں کئی نسلوں سے یورپ کے مردوں اور عورتوں کی تباہی کا موجب ہو رہی ہیں ۔ اسلام کے سوائے کسی مذہب نے اُن کو نابود نہیں کیا ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو پہلو موجودہ زمانہ کے سوشلسٹوں کے لئے بالخصوص موجب کشش ہو سکتے ہیں ۔ ان میں سے ایک تو سود کو حرام قرار دینا ہے ۔ روپے کو جمع کرتے چلے جانا اور بغیر محنت کئے اُس کے سود پر بسر اوقات کرنے کی ممانعت کر دی گئی ۔ اور یہ ضروری ٹھہرایا گیا ۔ کہ ہر مسلم اپنی گزر کے لئے خود کام کرے اور کمائے ۔ اس قانون سے روپے کی برابر تقسیم کی طرف ایک ضروری قدم اُٹھایا گیا ۔ اس نے بہتوں کو نادار اور تھوڑوں کو کروڑپتی ہونے سے بچا لیا ۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے اپنے آقا کی اس تعلیم پر اس حد تک عمل کیا ۔ کہ آپ نے شاہی خزانہ میں بھی روپیہ پڑا رہنے کی صورت نہ رہنے دی ۔ بلکہ جو کچھ خزانہ کی بچت ہوتی وہ ہر جمعہ کو غربا میں تقسیم کر دی جاتی ۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے احتکار کو روک دیا ۔ یعنی غلہ کو اس لئے روک رکھنا تا کہ ایک ہی شخص کے پاس ذخیرہ جمع ہو کر غلہ کی قیمت

بڑھ سکے۔ اور غربا کو تکلیف پہنچے۔ اگر اسلام کے بعض قوانین اس وقت برطانوی جرائر میں مروج کر دیئے جائیں۔ تو بہت سی غریب عورتوں کے لئے رفع تکلیف کا موجب ہوں گے +

اسلام کے سیاسی پہلو کے صحیح مفہوم کا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکثر یورپین لوگوں نے کبھی پورے طور پر نہیں سمجھا۔ ملکی رنگ میں اسلام ایک اخوت کا تسلسل یا ایک جمہوریت ہے۔ حکومت اسلامی کی رعایا کے ادنے سے ادنے لوگوں کو ملک یا مذہب کے متعلق۔ رائے کے سنا جانے کا وہی حق حاصل ہے جو خود حاکم وقت یا بادشاہ کو +

مساوات اسلامی ایک کامل مساوات ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اسلامی سلطنت کے اعلےٰ سے اعلیٰ حاکم کے خطاب کے متعلق کوئی خاص قاعدہ وضع نہ فرمایا تھا۔ اور نہ اس کے متعلق کہ حاکم اعلےٰ ایک شخص ہو یا ایک جماعت۔ اس بات کا فیصلہ بھی خود لوگوں کے ہاتھ میں تھا یعنی مسلمانوں کی مجموعی رائے یا اجماع سے ہو سکتا تھا۔ وہ ایک بادشاہ یا سلطان یا پریذیڈنٹ یا کونسل مقرر کر سکتے تھے لیکن خواہ کوئی ایک انسان حاکم اعلیٰ ہو یا انسانوں کی ایک جماعت اس حاکم اعلےٰ کا فرض صرف اس قدر تھا۔ کہ وہ دیکھے کہ اسلامی قوانین پر ٹھیک طور سے عملدرآمد ہوتا ہے یا نہیں۔ اور جو نئے قوانین ضروریات پیش آمدہ کے ماتحت وضع کئے جاتے ہیں۔ وہ اسی اسلامی قوانین یعنی شریعت پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق اور ماتحت ہیں۔ اس حاکم اعلےٰ کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ حکومت اسلامی کے فوائد کو اندرونی اور بیرونی طور پر شریعت اسلامی کے

قوانین کے مطابق مد نظر رکھے۔ اسلامی حکومت کا حاکم اعلےٰ صرف انتظام اور تعمیل احکام شریعت کے لئے ہے کسی خلیفہ یا گورنر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی عدالت کے فیصلہ کے خلاف عمل کرے یا کرائے۔ عدالتیں حکام کے تصرف سے بالکل آزاد تھیں۔ اور غریب اور امیر حتیٰ کہ خود بادشاہ وقت اور اس کی رعیت کا کوئی فرد قاضی کی عدالت میں بالکل ایک مرتبہ پہ ہوتے تھے۔ اور ایک نادار بھی قاضی کے سامنے درخواست دیکر بادشاہ وقت کو عدالت میں جواب دینے کے لئے مجبور کر سکتا تھا۔ خود انگلستان میں ابھی بہت دنوں کی بات نہیں۔ کہ مالکان زمین محنت اور مزدوری کو ذلت کا موجب سمجھتے تھے وہ خیال اب تک باقی ہے گو اب اس قدر کھلا کام کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اور سرمایہ کے تمدنی۔ سیاسی اور کفایتی پہلو کے دباؤ کے ماتحت دور ہوتا جا رہا ہے

اس کے خلاف حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے مزدوری کو انسان کا شرف بنا دیا۔ اور اس کو اعلےٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ وہ خود بھی محنت و مشقت کا کام کرتے تھے۔ اور آپ کے سب سے بڑے بیٹے اور پرجوش مریدین بھی محنت و مشقت کو عار نہ سمجھتے تھے۔ اسلامی ممالک میں زمین سب سے قیمتی اساسہ ہے جس سے محاصل لئے جا سکتے ہیں۔ تمام زمین حکومت کی ملکیت تھی اور افراد کو ایک غیر معین محصول پر دی جاتی تھی۔ یہ ٹیکس حالات کے مطابق مختلف ہوتے تھے۔ اصل مقصد ہمیشہ یہ مد نظر رہتا تھا۔ کہ اس قدر ٹیکس نہ ہو جو کاشتکاران کو نادار کر دے۔ یا ان کے لئے کافی سامان زندگی نہ چھوڑے اگر یہ قانون عملدرآمد میں رہتا۔ تو نہ مالکان زمین کی اور نہ سرمایہ داران کی کوئی

جاعت دوسروں پر حکمرانی کے لئے پیدا ہوتی۔ ایک شخص کی جائداد کی تقسیم اُس کی وفات کے بعد قانون شریعت کے ماتحت ہوتی تھی۔ ایک خاص حد قرابت کے اندر تمام رشتہ داروں کو کچھ حصہ ملتا تھا۔ اس لئے سرمایہ یا زمین ایک شخص کی ذات یا ایک خاندان میں سب سے بڑے ممبر کے ہاتھ میں نہ چلی جاتی تھی۔ بوڑھے اور کمزوروں کے لئے سامان کرنا حکومت کا فرض تھا "بوڑھوں کی پنشن" جو انگلستان میں اب مروّج ہوئی ہے۔ اسلام میں اُس کی عمر کئی صدیوں کی ہو چکی ہے +

ان واقعات کی موجودگی میں ہمیں اس سوال پر اٹکل بازی سے کام لینے کی ضرورت نہیں رہتی کہ آج کل کے مدنی مسائل کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا راہ اختیار فرماتے۔ اگر وہ سارے اُصول جو آپ نے سکھائے تھے۔ عملدرآمد میں رہتے تو جاعتوں کے ان باہمی جھگڑوں کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔ ناداری یا افلاس کبھی زور نہ پکڑتا۔ سرمایہ داری کا خطرناک بوجھ ساری تمدنی عمارت کو یوں تہ وبالا نہ کرتا۔ اور خاص خاص لوگوں کے لئے خاص حقوق قایم نہ ہوتے۔ یہ تھی اُس ایک انسان کی دوربین اور دور تک اثر پہنچانے والی قانون سازی جس نے ملک عرب کے اندر اپنی ذہانت اور خدائی الہام کے ساتھ ایک آگ روشن کر دی +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور علم

از
پروفیسر نور الدین سٹیفن ؒ

اطلبوا العلم من المهد الى اللحد گہوارہ سے لے کر قبر تک علم کی تلاش میں لگے رہو +

میں عظمت پرست انسان نہیں ہوں۔ کیونکہ میں ہمیشہ ایک آدمی کے کام کا بہ نسبت اُس کی شخصیت کے زیادہ خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ ایک شخصیت انسان کا وہ حصہ ہے جو بہت ہی تھوڑی دیر تک رہنے والا ہے۔ اور یہ جلدی گزر جاتا۔ اور پھر بالکل بھول جاتا ہے۔ یا ایک وقت کے بعد دوست اُس کو تعریف کرکے حد سے بڑھاتے یا دشمن اُس کی تحقیر کرکے حد سے گراتے ہیں۔ یہانتک کہ جو تصویر رہ جاتی ہے وہ اصل کی فی الواقعہ ایک مشتبہ تصویر ہوتی ہے +

لیکن ایک انسان کا کام اُس کے لفظ اور اُس کی تعلیم اُس کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ اور اگر وہ صاحب عظمت انسان ہے۔ تو اُس کی باتیں اور اُس کی تعلیم تاریخ اور آیندہ نسلوں پر ایک نشان کے طور پر باقی رہ جاتے ہیں۔ جو اُس کے ہزارہا ہمجنسوں پر اچھا یا بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ بلا شبہ ایسے ایک صاحب عظمت انسان محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو ایک عظیم الشان انسان تھے اور علمی لحاظ سے ایک نہایت طاقتور انسان تھے۔

جن کے نمونہ اور اثر نے وہ اصلاحات کر دکھائیں جو ان حالات کے ماتحت جن میں وہ تھے معجزانہ تھیں +

یہ درست ہے کہ وہ پڑھے ہوئے نہ تھے لیکن علم اور آداب کے لحاظ سے وہ اس سے بہت بڑھ کر تھے جو عام طور پر ان کو سمجھا گیا ہے میں اس نتیجہ پر اس واقعہ سے پہنچتا ہوں کہ "بنی قریش کی قوم اور بالخصوص اسکی وہ شاخ جو بنی سعد کے نام سے موسوم ہے جنکے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن کا زمانہ گزرا۔ سارے عرب میں اپنی زبان کی پاکیزگی اور فصاحت کے لئے شہرت رکھتے تھے" اور سر ولیم میور جس نے ایک دوست کی حیثیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری نہیں لکھی۔ کہتا ہے کہ "آپ کی گفتگو جزیرہ نمائے عرب کی خوبصورت زبان ایک نہایت ہی پاکیزہ نمونہ پر ڈھلی ہوئی تھی" پس آپ کو ایسے موقع مل گئے جن کا اثر یہ ہونا ضروری تھا کہ آپ کے خیالات میں پاکیزگی اور شستگی آجاتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے بڑے بڑے صاحب علم انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا +

آپ کی غور و فکر کی عادت ایک اور شہادت اس امر کی ہے۔ کہ آپ کو غور و علم سے سچی محبت تھی۔ آپ خلوت پسند بھی تھے تا لوگوں سے الگ ہو کر اصلیت امور پر غور کریں۔ اور کسی معاملہ کی حقیقی وجوہات کا پتہ لگائیں۔ مگر میں آپ کی سوانح عمری لکھنا نہیں چاہتا۔ نہ میں اس کام کے لئے موزوں ہوں بلکہ میں آپ کے صرف چند اقوال کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور ان اقوال پر چند نتائج کی بنیاد رکھتا ہوں۔ کیونکہ میری رائے میں ایک شخص کے اقوال

عموماً اُس کے دل کی حالت کو ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ عزت کے قابل ہے۔ یہ آپ کے بیخوف اور کھلے اظہار خیال کی بین شہادت ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ جب آپ نے علم کی طرف ان پرزور الفاظ میں توجہ دلائی۔ ایک ایسا زمانہ تھا جس کے کئی صدیاں بعد تک بھی زمانہ کی حالت یہی رہی۔ کہ اکثر مذہبی جماعتیں۔ عیسائی اور غیر عیسائی ہر قسم کے علم کو عوام سے حاسدانہ رنگ میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور حصول علم صرف پروہتوں یعنی مذہبی پیشواؤں اور حکام کا حق سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ بعض وقت دوسروں کے لئے حصول علم کے خلاف تعزیریں بھی تجویز کی گئیں۔ اور اُن لوگوں کو جو مذہبی پیشواؤں کے خلاف کسی قسم کا کلمہ کہیں جیلخانوں میں ڈالا جاتا تھا۔ اور علاوہ ازیں علم پھیل جانے کے خوف سے بڑے بڑے قیمتی کتبخانے جو گزشتہ نسلوں نے جمع کئے تھے اُنہیں آگ کے شعلوں کی نذر کیا گیا۔ اور اس طرح پر دنیا کو وہ نقصان پہنچایا گیا جو بالکل ناقابل تلافی ہے۔ اور یہ بربادی کا کام دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ ایک سیاہ دھبہ کے طور پر باقی رہے گا۔ اور اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے یہ کام کیا۔ اور اُس کلیسیا کیلئے جس نے ایسے کام کو پسند کیا ہمیشہ ایک ذلت کا موجب رہے گا۔ اب ایک طرف دنیا کی اس حالت کو دیکھو کہ علم سے کس طرح دوسروں کو محروم کرنے کی کوشش ہے اور دوسری طرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کرو۔

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة

یعنی علم کا حاصل کرنا ہر ایک مسلم مرد اور مسلم عورت کا فرض ہے کیسی قابل قدر تعلیم ہے کیسی عزت اس شخص کی ہے جس نے یہ تعلیم دی۔ اور اس دین کی جو اس نے سکھایا۔ اس سے ہر ایک علم دوست انسان کے دل میں پیدا ہونی چاہئے۔ اور پھر اس لحاظ سے کہ آپ کے دشمنوں نے کیا کیا طریق اختیار کئے ہیں۔ اس کی عظمت اور عزت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

گو میرے مضمون کا تو یہ موضوع نہیں۔ مگر یہاں میں اس کا ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہاں اس ارشاد نبوی سے اس بات پر کیسی صاف روشنی پڑتی ہے کہ آپ عورت کو کس بلند مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں۔ علم کا حاصل کرنا مردوں کا ہی فرض نہیں۔ بلکہ ہر ایک مسلم عورت کا بھی ویسا ہی فرض ہے جیسے مسلمان مرد کا۔ کیا صرف آپ کی تعلیم کا یہی ایک فقرہ ان لوگوں کے لئے کافی جواب نہیں جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ محمد رسول اللہؐ نے یہ تعلیم دی ہے کہ عورتوں میں نہ روح ہے نہ عقل ہے پھر اس خیال کی وسعت پر بھی ایک نظر کرو۔ آپ کل دنیا کے سامنے علم کی کتاب کو کھول کر رکھنا چاہتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت۔ امیر ہو یا غریب۔ عوام الناس میں سے ہو یا خواص میں سے۔ علم کو حاصل کرنا نہ صرف ہر ایک انسان کا حق قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ہر ایک کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ ضروری ٹھہرا دیا گیا ہے۔ کہ ہر شخص جہاں تک ہو سکے۔ اور جس علم کا حاصل کرنا اس کی طاقت میں ہو اسے حاصل کرے۔ اپنی قوت کو بہتر سے بہتر کام میں لگائے۔ اور چونکہ قوائے انسانی سے بہترین کام بغیر حصول علم کے لئے نہیں لیا جا سکتا۔ اور جہالت اس کے لئے ایک روک ہے۔ اس لئے آپ نے جہالت کو دور کرنا اور علم کو حاصل

کرنا ہر مسلم کا فرض قرار دے دیا ہے +

میں نے ایک دفعہ اس بات پر بحث ہوتے ہوئے سُنی ہے۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں تھا۔ کہ آپ کے اس توسیع علم کے نتائج کیسے خطرناک اور کس قدر دور تک اثر کرنے والے ہوں گے۔ اور کہ علم اگر نیکی کے لئے ایک طاقت ہے تو اکثر بدی کے لئے بھی ایک طاقت ہے۔ میں ان دونوں باتوں سے متفق نہیں میں ہرگز اس بات کو نہیں مان سکتا کہ علم اکثر بدی کیلئے بھی ایک طاقت ہے۔ اس کے خلاف میرا یقین ہے کہ علم ہمیشہ نیکی طرف انسان کو مائل کرتا ہے۔ گو میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ اکثر اسے لوگوں نے بدی پر بھی لگا لیا ہے

یہ بات کہ حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا۔ کہ علم کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ آپ کے دوسرے اقوال سے بالکل صاف نظر آتا ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ جو شخص حصول علم میں لگ جاتا ہے وہ مرتا نہیں۔ ایک انسان کی زندگی زمین پر بہت مختصر ہے۔ مگر اس کا علم اس کے پیچھے زندہ رہتا ہے۔ اور اس کے اثر کی انتہا کو کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا۔ یہ بات کہ اس کے خطرات کا بھی آپ کو علم تھا اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ برا عالم بدترین انسان ہے۔ اور ایک نیک عالم سب سے بڑھکر نیک ہے۔ اس میں آپ نے یہ اشارہ کر دیا ہے۔ کہ علم سے جو طاقت انسان کو ملتی ہے وہ نیکی اور بدی دونوں کے لئے استعمال ہو سکتی ہے مگر محض یہ گمان کہ علم کی طاقت بدی کے لئے بھی استعمال ہو سکتی ہے علم کے حاصل کرنے پر زور دینے سے آپ کو روک نہ سکا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ یقین کامل تھا۔ کہ وہ طاقت جو علم پیدا کرتا ہے۔ گو وہ کبھی برائی کے لئے بھی استعمال ہو جائے۔ لیکن اس کے نیکی کے لئے استعمال کا پلہ ہمیشہ بھاری رہے گا۔ چنانچہ

آپ کا ایک یہ بھی ارشاد ہے۔ کہ ایک عالم کی باتوں کو سننا اور اُن کو دوسرے کے ذہن نشین کرنا مجاہدات مذہبی سے بڑھکر ہے۔ مگر یہاں یہ غلطی نہ کھانی چاہئے کہ آپ اُن کو مذہبی مجاہدات کا قایم مقام ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک اُس ارشاد میں اشارہ زیادہ تر راہبانہ عبادات کی طرف ہے یعنی علم کا حاصل کرنا ایسی عبادات سے بہتر ہے۔ جیسے بعض لوگ گوشہ نشینی اختیار کرکے اور انسانی زندگی کے جہاد سے الگ ہو کر بھی عبادات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

ہم علم کی قیمت کو مشاہدہ کے نیچے کیونکر لا سکتے ہیں؟ کیا تم اس بات کو محسوس کر سکتے ہو؟ جاہل انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ مگر وہ درحقیقت زندگی نہیں رکھتا۔ اس کی حد بندیاں اتنی بڑی ہیں کہ وہ ایک ایسے شخص کی طرح ہے جس کو ایک کوٹھڑی کے اندر بند کر دیا جائے جس کی چار دیواری ہی اُس کی دنیا ہے۔ مگر تھوڑا سا علم بھی اس کوٹھڑی کو محل بنا سکتا ہے۔ اور جو علم سے زیادہ حصہ لیتا ہے اُس کے لئے وہ بہشت بن جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس سیڑھی پر چڑھنا آسان نہیں۔ جیسا کہ رسکن کہتا ہے۔ تھوڑا سا علم حاصل کرنے کے لئے بہت سا وقت بکار ہے۔ مگر کسی شخص کو اس وجہ سے ہمت نہ ہارنی چاہئے۔ سوائے اُن علوم کے جو کتابوں میں ہیں۔ اور بھی بہت سے قسم کے علوم ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ بہت سے کتابیں پڑھنے والے ہیں جو حقیقی علم بہت کم رکھتے ہیں اور بہت سے عالم ہیں جو بہت تھوڑی کتابیں پڑھے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑا عالم نباتات کا ماہر جسے میں نے دیکھا ہے پڑھ نہیں سکتا تھا۔ مگر اُس جھونپڑی کے اردگرد میلوں تک جتنے پودے پھول اور درخت تھے وہ سب کے نام

اور اُن کی زندگی کے حالات بتا سکتا تھا۔ اور بہت سے لوگ جن کے ناموں کے پیچھے بہت سے حروف اُن کی فضیلت کے اظہار کے لئے لگے ہوئے تھے بڑی بڑی دور سے اولڈ جان سے مشورہ کرنے آتے تھے تاکہ اپنے شکوک کو حل کریں پس اگر تم کتابی فضیلت کو حاصل نہ بھی کر سکتے ہو تو علم ضرور حاصل کرو۔ فضیلت اور علم ایک نہیں۔ قدرت کا مطالعہ کرو۔ اور سب سے بڑھکر اپنے بنی نوع انسان کا مطالعہ کرو۔ کوئی علم کبھی شائع نہیں ہوتا۔ اگر تم اسے استعمال کرو۔ اس لئے "علم حاصل کرو۔ علم صاحب علم کو اس قابل بناتا ہے۔ کہ وہ حق اور باطل میں تمیز کر سکے۔ یہ بہشت کے رستہ کو روشن کرتا ہے۔ یہ صحرا میں ہمارا دوست خلوت میں ہمارا مونس۔ اور جب کوئی دوست نہ ہو تو اس وقت ہمارا رفیق ہوتا ہے یہی خوشحالی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور مصیبت میں ہمارے لئے سہارا ہوتا ہے۔ یہ دوستوں میں زینت کا اور دشمنوں کے خلاف ہتھیار کا کام دیتا ہے"!

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جانیں قربان کرنیوالے

از

مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی

ایک شخص کے اندر ایثار اور قربانی کی روح کا موجود ہونا بڑا بھاری جوہر ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عظیم الشان انسان ہیں۔ جنہوں نے ہزارہا انسانوں کے اندر ایسی قربانی کی روح پیدا کر دی۔ کہ جس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ذیل کے مضمون میں آنحضرت صلعم کے اس کمال کا ایک پہلو دکھایا گیا ہے

یہ احد کا میدان تھا۔ اور ایک دفاعی جنگ تھی یعنی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس جنگ میں ایک موقعہ پر دشمن کا دباؤ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر اس قدر بڑھ گیا۔ کہ بہت سے صحابہ شہید ہو گئے۔ اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔

آپ کے جسم مبارک پر اسّی سے زیادہ زخم لگے۔ آپ کے خود کی دو کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں کھب گئیں۔ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اور ایک ایسا صدمہ مُنہ پر پہنچا۔ کہ ایک دانت بھی نکل گیا۔ دشمن ابھی اپنا دباؤ بڑھاتا چلا جا رہا تھا اور اس کے تیروں کی بوچھاڑ ایسی خطرناک تھی۔ کہ جس کے سامنے کوئی انسان کھڑا نہ رہ سکتا تھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی خطرہ کی حالت میں تھی۔

اس موقعہ پر آپ کے صحابہ نے جو شجاعت اور مردانگی کا ثبوت دیا ہے۔ اور جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو پروانہ وار قربان کیا ہے۔ وہ ایک بہت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز امر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ مرتضی۔ حضرت عمرؓ فاروق۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ ابو عبیدہؓ۔ ابو دجانہؓ اور بہت سے صحابی فوراً اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ڈھال نہیں بلکہ ایک مضبوط قلعہ کی صورت میں بنا دیتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ اور دشمن کے خطرناک تیر اندازی کا نشانہ ہیں۔ میدان صاف ہے۔ کوئی روک آپ کے اور دشمن کے درمیان حائل نہیں۔ مگر یہ پاک گروہ فوراً اس خطرہ کو محسوس کر کے آنحضرتؐ کے سامنے اپنے آپکو ایک مضبوط دیوار کی صورت میں بنا دیتا ہے۔ اور تھوڑے سے آدمیوں کا

ایک ایسا قلعہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے جس کو تین ہزار کی زبردست فوج توڑ نہیں سکتی۔ تیروں کی بوچھاڑ اس انسانی دیوار کے اوپر پڑتی ہے۔ مگر اس پر اتنا بھی اثر نہیں کرتی جتنا ایک پتھر کی دیوار پر۔ جو آدمی گر جاتا دوسرا فوراً اس کی جگہ پر کھڑا ہو جاتا۔ حضرت طلحہؓ نے اس دن دو یا تین کمانیں توڑیں۔ اور قریباً ستّر تیر زخم ان کے جسم پر آئے۔ ابو دجانہؓ نے اس خیال سے کہ دشمن کی خطرناک بوچھاڑ سے دل پر کوئی خوف طاری نہ ہو جائے۔ دشمن کی طرف پیٹھ پھیر لی اور پہاڑ کی طرح سامنے کھڑا رہا۔ دشمن کی جمعیت میں سے ایک شخص تلوار لے کر باہر نکلا تاکہ اس قلعہ میں سے گزر کر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کام ختم کر دے۔ مگر جبھی کہ وہ قریب پہنچا اس کی کھینچی ہوئی تلوار جو اس کے سر کے اوپر تھی اس پر طلحہؓ کا ہاتھ چلا۔ اور گو طلحہ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ مگر دشمن کی تلوار بھی گر گئی اور اس کا وار ناکام ہوا۔ غرض اس حال میں آپ کے صحابہ نے ایسا مقابلہ کیا کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور آخر اسے میدان چھوڑ کر گھر کی طرف واپس ہونا پڑا اور نہ صرف مردوں نے ہی اس موقعہ پر مردانگی اور اپنے آپ کو قربان کر دینے کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ بلکہ عورتوں نے بھی اس حملہ میں حصہ لیا ؞

یہ روح جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے اندر پیدا کر دی تھی کہ دشمن کے مقابلہ میں وہ دنیا کی کسی طاقت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور جان مال عزت ان کی نظر میں یہ سب چیزیں ہیچ تھیں۔ اور اسی روح نے ہی وہ کام بھی کر دکھایا جسکو دنیا آج تک حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔ کہ کس طرح پر ہر قسم کی بد عادتیں اور بری رسوم ایک آن کی آن میں ان لوگوں کے اندر سے نکال کر باہر پھینک دی گئیں۔ تاریخ اس امر

کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ کہ کوئی ایسا مصلح دنیا میں آیا ہو جس کے ہر ایک حکم کے آگے ایک آن میں صدیوں کی جڑ پکڑے ہوئے عقاید اور رسوم اور خون میں رچی ہوئی عادات ایسی ھباءً منثورا ہو گئی ہوں کہ اُن کا نام نشان بھی کہیں نظر نہ آتے۔ ایک شرابخوری کو ہی لے لو کس قدر خطرناک یہ بد عادت ہے۔ کہ جو ایک دفعہ اس کا شکار ہو جائے اُس کا اس کے پنجہ سے مخلصی پانا محال ہو جاتا ہے۔ مگر ایک ملک کا ملک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی حکم پر ایسا اس سے پاک ہو جاتا ہے۔ کہ گویا اس قوم نے کبھی شراب کا نام ہی نہ سنا تھا۔ غرض محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ روح صحابہ کے اندر پیدا کر دی۔ کہ کوئی قربانی ایسی باقی نہ رہ گئی جو اُنہوں نے کر نہ دکھائی ہو۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ اس برگزیدہ معلم کے لئے وہ اپنی جانوں کو بے دریغ قربان کرتے چلے جاتے تھے ۔

ینابیع المسیحیت

مدت ہوئی عیسائیوں نے ایک کتاب موسوم بہ ینابیع الاسلام عربی زبان میں شائع کی تھی جسکا ترجمہ اُردو زبان میں اثمار شیرین کے نام سے چھاپا گیا۔ عیسائی کیمپ میں یہ کتاب بلا اسلام کے خلاف کاری حربہ سمجھی گئی ہے۔ غالبًا دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے کئے گئے۔ اور ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں انکو تقسیم کیا گیا۔ اس میں باتیں تو وہی تھیں جو پادری عماد الدین وغیرہ نے لکھیں بعض قصص انبیاء مندرجہ قرآن مجید کی بناء پر انجیل و توریت وغیرہ کو قرآن مجید کا ماخذ ٹھہرایا بعض باتوں کو کسی ثبوت کے بغیر ژندوستا کی طرف منسوب کیا گیا۔ بہرحال یہ فرضہ ہمارے ذمہ تھا حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے مذکورہ بالا نام ایک کتاب اپنے ایام حج میں بیت اللہ شریف میں بیٹھکر لکھی۔ یہ کتاب اپنی نوعیت میں بالکل نئی ہے۔ اس میں نہ صرف یہی دکھایا گیا ہے۔ کہ مروجہ اصول و حکایات مسیحیت کو جناب مسیح سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مسیحی دین کی ہر ایک بات سورج پرستی اور مسیح سے قبل کی بت پرستی سے لی گئی ہے اس کتاب کا ہر صفحہ نئے سے نئے انکشافات اپنے اندر لئے ہوئے ہے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کتاب کے اکثر مضامین کسی زبان کی کسی کتاب میں بحیثیت مجموعی نہیں پائے جاتے منکشف شدہ واقعات نہایت ہی حیرت افزا اور سنسنی خیز ہیں۔ اس کتاب میں وہ باتیں ہیں جن سے کروڑہا عیسائی بےخبر ہیں۔ اور جن کے پڑھنے سے وہ اپنے مسلمات پر کسی طرح قایم نہیں رہ سکتے یہ ایک کتاب صدہا کتابوں کی قائم مقام ہے حضرت خواجہ صاحب کی خواہش ہے کہ یہ کتاب ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہو اس کتاب کی آمد کل کی کل اسی کتاب کی مفت اشاعت پر خرچ ہو گی۔ احباب سے توقع ہے کہ اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹائینگے۔ یہ کتاب چھپکر تیار ہے قیمت فی جلد قسم اول ۱۲؍ قسم دوم ۸؍ مجلد ۱۲؍ و ۱۰؍ علی الترتیب المشتہر منیجر مسلم بک سوسائٹی